مارچ
2022ء

حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝ (القرآن:54)

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

جدید تعلیم یافتہ حضرات میں علوم قرآنی کے فروغ کا نقیب

اَللّٰھُمَّ بَلِّغْنَا رَمَضَان

اے اللہ! ہمیں ماہِ رمضان نصیب فرما۔ آمین

قرآن اکیڈمی جھنگ

جلد : 16 | وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ (القران) | شعبان : 1443ھ
شمارہ : 03 | اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کیلئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے (پ سورۃ القمر) | مارچ : 2022ء

ISSN : 2305-6231

ماہنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

بانی مدیر : انجینئر مختار فاروقیؒ

مدیر مسئول : انجینئر عبداللہ اسماعیل

مشاورت
- ڈاکٹر طالب حسین سیال
- حاجی محمد منظور انور
- پروفیسر خلیل الرحمٰن
- عبداللہ ابراہیم

مدیر معاون و نگران طباعت : مفتی عطاء الرحمٰن

انتظامی امور : ملک نذر حسین

قانونی مشاورت
- محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ
- چودھری خالد اثیر ایڈووکیٹ

سالانہ زرتعاون: اندورنِ ملک 600 روپے | معمول کا شمارہ: 60 روپے

اہلِ ثروت حضرات سے خصوصی زرِتعاون پچیس ہزار روپے یکمشت

ترسیل زر بنام : انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر

پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7630861-0336-6778561

Web site:
www.hamditabligh.net

Email:
hikmatbaalgha1@yahoo.com

انجینئر مختار فاروقی

طابع: محمد فیاض، مطبع: سلطان باہو پریس فوارہ چوک جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَ ھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا(ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ میراث ہوتی ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا حقدار ہے

مشمولات

قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	1		3
بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات	2		5
حرفِ آرزو	3	انجینئر عبداللہ اسماعیل	6
قرآن کریم کا ترجمہ ومختصر تشریح	4	انجینئر مختار فاروقی	8
..... مطالعۂ سورۃ الکہف (3)	5	محمد نعمان اصغر	26
دجال اصفہان کو اپنا مرکز کیوں بنائے گا؟	6	ساجد محمود مسلم	43
تربیت اولاد کے اسلامی اصول (4)	7	حافظ خالد حیات محمود	48
آوارگی اور حیا باختگی کو روکیے!	8	محمد اعجاز مصطفےٰ	52
یادِ فاروقی	9		61

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 10 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں 10 تاریخ کے بعد رسالہ ارسال نہیں کیا جائے گا (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

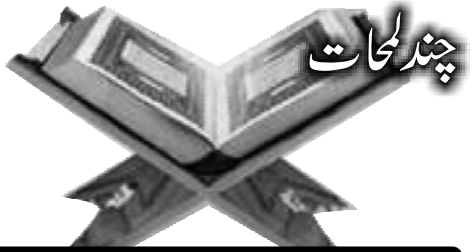

(02)	اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ	آیات
سورۃ البقرۃ	بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ	184-180

كُتِبَ عَلَيۡكُمۡ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الۡمَوۡتُ

تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت کا وقت آ جائے

اِنۡ تَرَكَ خَيۡرَا ۖۚ اۨلۡوَصِيَّةُ لِلۡوَالِدَيۡنِ وَالۡاَقۡرَبِيۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ

تو اگر وہ کچھ مال چھوڑ جانے والا ہو تو ماں باپ

اور رشتہ داروں کے لیے دستور کے مطابق وصیت کر جائے

حَقًّا عَلَى الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۱۸۰﴾

(اللہ سے) ڈرنے والوں پر یہ ایک حق ہے

فَمَنۡۢ بَدَّلَهٗ بَعۡدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثۡمُهٗ عَلَى الَّذِيۡنَ يُبَدِّلُوۡنَهٗ

جو شخص وصیت سننے کے بعد بدل ڈالے

تو اس (کے بدلنے) کا گناہ انہیں لوگوں پر ہے جو اس کو بدلیں

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۱۸۱﴾

اور بے شک اللہ سنتا ہے جانتا ہے

فَمَنۡ خَافَ مِنۡ مُّوۡصٍ جَنَفًا اَوۡ اِثۡمًا

اگر کسی کو وصیت کرنے والے کی طرف سے (کسی وارث کی) طرفداری یا حق تلفی کا اندیشہ ہو

فَاَصۡلَحَ بَيۡنَهُمۡ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ

تو اگر وہ (وصیت کو بدل کر) وارثوں میں صلح کرادے تو اس پر کچھ گناہ نہیں

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۸۲﴾

بے شک اللہ بخشنے والا (اور) رحم والا ہے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الصِّيَامُ

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے

كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۸۳﴾

جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بنو

اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ

(روزوں کے دن) گنتی کے چند روز ہیں

فَمَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ مَّرِيۡضًا اَوۡ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنۡ اَيَّامٍ اُخَرَ

تو جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں روزوں کا شمار پورا کرلے

وَعَلَى الَّذِيۡنَ يُطِيۡقُوۡنَهٗ فِدۡيَةٌ طَعَامُ مِسۡكِيۡنٍ

اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھیں (لیکن رکھیں نہیں) وہ روزے کے بدلے محتاج کو کھانا کھلا دیں

فَمَنۡ تَطَوَّعَ خَيۡرًا فَهُوَ خَيۡرٌ لَّهٗ

اور جو کوئی شوق سے نیکی کرے تو اس کے حق میں زیادہ اچھا ہے

وَاَنۡ تَصُوۡمُوۡا خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۸۴﴾

اور اگر سمجھو تو روزہ رکھنا ہی تمہارے حق میں بہتر ہے

صَدَقَ اللّٰهُ الۡعَظِيۡمِ

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ

تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ فَاقْرَءُ وْهُ وَ أَقْرِءُ وْهُ

(لوگو!) تم قرآن مجید (کے الفاظ و معانی) کو

سیکھو پھر اس کو پڑھو اور اس کو پڑھاؤ

فَاِنَّ مَثَلَ الْقُرْآنِ لِمَنْ تَعَلَّمَهٗ فَقَرَأَهٗ وَ قَامَ بِهٖ

کیونکہ قرآن کی مثال اُس شخص کے لیے جس نے اس کو

سیکھا پھر اس کو پڑھا اور اس کے ساتھ مشغول ہو گیا

كَمَثَلِ جِرَابٍ مَحْشُوٍّ مِسْكًا يَفُوْحُ بِرِيْحِهٖ كُلَّ مَكَانٍ

مشک سے بھری ہوئی اُس تھیلی کی طرح ہے جو اپنی خوشبو کو ہر ہر جگہ بکھیرتی ہے

وَمَثَلُ مَنْ تَعَلَّمَهٗ فَيَرْقُدُ وَهُوَ فِي جَوْفِهٖ

اور اُس شخص کی مثال جس نے قرآن کو سیکھا

پھر غافل ہو گیا حالانکہ قرآن اس کے سینے میں ہے

كَمَثَلِ جِرَابٍ أُوْكِئَ عَلٰی مِسْكٍ

مشک کی اُس تھیلی کی طرح ہے جس کا منہ باندھ دیا گیا ہو

(کہ نہ خود کو فائدہ نہ کسی اور کو)

(ترمذی ، عن ابی ہریرة رضی اللہ عنہ)

؎ زندگی در جستجو پوشیدہ است
اصل اُو در آرزو پوشیدہ است
علامہ اقبال

حرفِ آرزُو

انجینئر عبد اللہ اسماعیل

مسلمانوں کی خلافت کی طرف پہلا قدم

گزشتہ شمارے میں یہ بات عرض کی گئی تھی کہ مسلمانوں کی خلافت کے وعدۂ ربانی میں سب سے بڑی رکاوٹ خود مسلمان ہیں جو ایمان اور عمل صالح کے تقاضے ادا کرنے کو تیار نہیں ہیں وراس وعدۂ ربانی کا ذکر سورۃ النور آیت 55 میں آیا ہے۔ اگرچہ اور بہت سی رکاوٹیں بھی ہیں جیسے شیطان، مشرکین اور یہود وغیرہ، مگر خاص اس مقام پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خلافت کے وعدے کو مسلمانوں کی اجتماعیت کا ایمان اور اعمالِ صالحہ کے تقاضے پورے کرنے سے جوڑا ہے۔

آج دنیا پر نظر ڈالی جائے تو بظاہر مسلمانوں کی تعداد 1.5 ارب سے زیادہ ہے اور 60 کے قریب مسلم ممالک میں حکمران بھی مسلمان ہیں یعنی بظاہر مسلمانوں کی ہی حکمرانی ہے مگر اس حکمرانی اور خلافت میں فرق ہے۔ مسلمانوں کی خلافت تو درحقیقت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نائب (خلیفہ) بن کر حکمران ہونے کی ہے یعنی اصل حکمرانی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ہے جبکہ مسلمان بطور نائب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکامات ہی نافذ کرنے کے مجاز ہیں۔ ہاں البتہ جن معاملات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے براہِ راست احکام واضح نہیں ہیں، وہ معاملات اجتہاد اور مشورے سے طے کیے جاسکتے ہیں۔

اس انداز کی مسلمانوں کی حکمرانی کہ جس میں اللہ کو حاکمِ مطلق مان کر اس کے احکام کی تنفیذ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہو اس وقت سوائے افغانستان کے اور کہیں نظر نہیں آتی۔ افغانستان میں مسلمانوں کی حکومت سورۃ النور آیت 55 میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے وعدۂ استخلاف کے سچا اور برحق ہونے کا بیّن ثبوت ہے اور ثابت کر رہی ہے کہ مسلمانوں کی خلافت کے قیام میں (اگر مسلمان ایمان اور عمل صالح کا حق ادا کریں) شیطان، مشرکین یا اہلِ کتاب کوئی بڑی رکاوٹ نہیں ڈال سکتے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ مسلمانوں کی عددی یا عسکری طاقت سے بھی مشروط نہیں ہے بلکہ شرط صرف ایمان وعمل صالح کی ہے۔ ہمسایہ ملک افغانستان میں مسلمانوں کی حکومت اس بات کا ثبوت ہے۔ چنانچہ دنیا کے ہر کونے میں بسنے والے مسلمان اگر اپنے اپنے ملک میں خلافت کا نظام چاہتے ہیں تو انہیں آگے بڑھ کر ایمان وعمل صالح کے تقاضے پورے کرنے چاہئیں اور قرآن مجید میں ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس پختہ وعدے اور اس پختہ وعدے کے پورے ہونے کی بیّن مثال سامنے آجانے کے باوجود اگر مسلمان اپنا طرزِ عمل بدلنے کو تیار نہ ہوں تو اسی آیت کے آخر میں اللہ عزوجل کا فتویٰ بھی موجود ہے: وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ اس پختہ وعدے کے بعد بھی اگر مسلمان اٹھ کر ہمت نہ کریں تو فرمایا کہ یہی لوگ فاسق، ناہنجار اور نافرمان ہیں۔ اس سمت میں آگے بڑھنے کے لیے پہلا قدم سورۂ نور کی اگلی آیت میں ہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بیان فرما دیا ہے کہ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ بس اب نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرنے لگ جاؤ تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

مسلمانوں کی خلافت کی طرف 'پہلا' قدم یہی ہے کہ ہر مسلمان انفرادی طور پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جناب میں سچی توبہ کرے اور آئندہ کے لیے اقامت صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے راستے پر گامزن ہو جائے۔ مسلمانوں کی خلافت کا قیام اس پہلے قدم کے بغیر ممکن نہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب مسلمانوں کو قیامِ خلافت کی طرف یہ پہلا قدم فی الفور اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

دورۂ ترجمۃ القرآن

قرآن کریم کا ترجمہ ومختصر تشریح

مدرس : انجینئر مختار فاروقیؒ

آیات 21 تا 29

آیت نمبر 21 سے تیسرا رکوع شروع ہو رہا ہے، اس رکوع میں مکی قرآن، جس میں محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت اور قرآن کا جو پیغام آیا ہے، اس کا خلاصہ بیان کیا جا رہا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اے لوگو!

سب سے پہلی بات قرآنی تعلیمات یا محمد رسول اللہ ﷺ کے پیغام سے متعلق یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے پہلے جتنے نبی گزرے ہیں ان کی دعوت اپنی اپنی قوموں یا مخصوص گروہوں کی طرف تھی حتیٰ کہ حضرت مسیح علیہ السلام جو رسول اللہ ﷺ سے پہلے رسول اور نبی ہیں ان کی دعوت بھی قرآن مجید میں مذکور ہے ﴿وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ﴾ وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول بن کر آئے تھے۔ ان کی دعوت آفاقی نہیں تھی۔ یہ جو آج CHRISTIANITY ایک تبلیغی دین بن گیا ہے اور پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے یہ حضرت مسیح علیہ السلام کی فرمائش کے مطابق نہیں ہے ان کی تعلیمات کے مطابق نہیں ہے یہ تو سینٹ پال نے اس میں سے شریعت ساقط کر دی اور عمل کوئی ہے نہیں اور اسے پوری دنیا کے لیے مذہب بنا دیا۔ قرآن مجید یہ کہہ رہا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت واحد دعوت ہے قرآن کا پیغام واحد پیغام ہے جو آفاقی پیغام ہے پوری نوعِ انسان کے لیے ہے اور پوری کرۂ ارض کے لیے ہے۔ اسی لیے خطاب ہے: یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اے لوگو!

اُعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ اپنے اُس ربّ کی بندگی اختیار کرو جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔

ربّ کا تصور پہلے ہے خلق کا تصور بعد میں ہے۔ اگرچہ ترتیب زمانی کے اعتبار سے تخلیق پہلے ہوتی ہے ربوبیت بعد میں ہوتی ہے لیکن آپ بچے کو دیکھیں جس کا بچپن اور لڑکپن ہمارے سامنے ہے کہ چھوٹے بچے کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ میرے والدین کون ہیں، میں کہاں سے آیا ہوں، کس نے مجھے پیدا کیا ہے، میرا دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے؟ یہ تو شعور کی عمر (بیس پچیس سال کی عمر) میں جا کر احساس ہوتا ہے اس سے پہلے کی عمر تو یہ ہے کہ مجھے کھلا کون رہا ہے؟ پلا کون رہا ہے؟ تو انسان کا بحیثیت مجموعی پہلا تصور ربوبیت کا ہے کہ کون میری تربیت کر رہا ہے اس کے بعد خلق کا تصور ہے کہ مجھے پیدا کس نے کیا ہے، اس کا مجھ پر بڑا احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا: اُعْبُدُوْا رَبَّكُمُ اپنے رب کی بندگی اختیار کرو، عبادت کرو۔ اور یہ عبادت صرف نماز روزے کی نہیں ہے پوری زندگی میں اللہ کی عبادت کرو الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وہی رب ہے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔

وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ اور (صرف تمہیں پیدا نہیں کیا) تمہارے آباء و اجداد کو بھی (حضرت آدم تک جتنے لوگ گزرے ہیں سب کو) اسی نے پیدا کیا ہے۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ اگر ایسا کرو گے تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہوگا خدا خوفی پیدا ہوگی۔

یہی وہ پہلا سبق ہے جو تمہاری سرشت اور فطرت میں اللہ نے ڈالا ہے اگر تم ایسا کرو گے تو اس سبق کے مطابق کر رہے ہو۔

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا اللہ وہ ہے جس نے بنایا ہے تمہارے لیے زمین کو بچھونا۔

زمین کو کچلتے ہوئے اس پر چلتے ہو، اس میں ٹریکٹر چلاتے ہو اس کا سینہ چیرتے ہو یہ سب اللہ نے تمہارے لیے ممکن بنایا ہے۔

وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً اور اللہ نے آسمان کو چھت بنایا ہے

وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً اور اللہ نے آسمان سے پانی برسایا ہے۔

بارشوں کا ایک پورا نظام ہے جس پر ساری فصلوں کا انحصار ہے۔ اگر بے موسم بارش ہو جائے یا بروقت موسم میں بارش نہ ہو تو فصل تباہ ہو جائے گی تو یہ ایک نظام ہے جو اللہ تعالیٰ چلا رہا

ہے اس کا فیصلہ اسی کے ہاتھ میں ہے۔

فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ پھر اُس نے اس بارش کے ذریعے نکالے ہیں تمہارے لیے میوے جو تمہارے کھانے کے لیے ہیں تمہارے لیے رزق کا کام کرتے ہیں۔

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ تو اللہ کے مدمقابل مت بناؤ اس حال میں کہ تم جانتے بوجھتے ہو۔

یہ سب کچھ کھاؤ پیو اللہ کا اور جب عبادت کرنے کا موقع آئے تو اللہ کے مدمقابل بنالو؟ یہ کیوں۔تم اللہ کو پہچانو کہ اس نے تمہارے لیے سب کچھ پیدا کیا ہے، اس کا شریک نہ بناؤ۔ سوچ سمجھ کر جان کر گمراہ مت ہو، اگر غلطی سے ہو گیا تو اللہ ہدایت کا کوئی سامان بھی پیدا کر دے گا لیکن جانتے بوجھتے اللہ کے مدمقابل ٹھہرانا شرک کرنا یہ تو بہت بڑی گمراہی ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا اگر تمہیں کوئی شک ہے اس میں جو ہم نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر نازل کیا ہے۔

اس مقام پر ایک تحدی ہے، چیلنج ہے جس کا تعلق ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ سے ہے کہ یہ کتاب منزل من اللہ ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور اگر تمہیں اس میں کوئی شک ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے نازل نہیں ہوئی ہے

فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ تو تم لے آؤ اس جیسی ایک سورۃ بنا کر۔

آخر محمد ﷺ بھی تو انسان ہیں اگر انہوں نے بنائی ہے تو تم بھی بنالو۔

وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾ اور اپنے سب معبودوں کو اور دوسرے مددگاروں کو بلا لو اگر تم سچے ہو۔

تم میں خطیب موجود ہیں، علماء موجود ہیں، بلغاء ہیں، مقررین ہیں، جاننے والے ہیں سب جمع ہو جاؤ، سب اکٹھے ہو کر ایک کمیٹی (بورڈ) بنالو اللہ کے ماسوا اپنے معبودوں کو بھی بلا لو، سب مل کر اس جیسی ایک سورۃ بنالاؤ۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا پھر اگر تم ایسا نہ کر سکو

یہ وہ بات ہے جو قرآن مجید نے بیان کر دی جو ان کے دل میں پوشیدہ تھی قرآن کہہ رہا

ہے تم یہ نہیں کرسکو گے تمہارا دل مان رہا ہے کہ یہ انسانی کلام نہیں ہے صرف زبان سے کہہ رہے ہو کہ ہم نہیں مانتے۔

وَلَنْ تَفْعَلُوْا اور ہرگز نہیں کرسکو گے

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ تو پھر تیار ہو جاؤ اس آگ کے لیے یا اس آگ سے بچنے کی کوشش کرو جس کا ایندھن پتھر اور انسان ہوں گے۔

دو ہی صورتیں ہیں اب بھی باز آجاؤ اس آگ سے بچ سکتے ہو اور اگر باز نہیں آؤ گے تو اس آگ کا ایندھن بنو گے جس میں پتھر جلائے جائیں گے اور انسان بھی اس میں جلیں گے۔ پتھر سے ایک مراد لی گئی ہے کہ جو پتھروں کے بت بنائے ہوئے ہیں جن کو لوگ پوجتے ہیں۔ جو لوگ شرک کرتے ہیں وہ خود تو جہنم میں جائیں گے ہی اور ان کے معبودانِ باطلہ کو بھی ان کے ساتھ آگ میں ڈال دیا جائے گا کہ ان کے ساتھ جو گلہ شکوہ کرنا ہے کرلو۔ اور یہ بھی مفہوم ہوسکتا ہے کہ عام لکڑی کی جو آگ ہے اس میں حرارت کم ہوتی ہے، سوئی گیس میں اس سے زیادہ حرارت ہوتی ہے پھر پتھری کوئلہ ہے جو زمین سے نکلتا ہے اس میں اور زیادہ حرارت ہے تو گویا اس کی شدت کا احساس دلانے کے لیے کہا جارہا ہے کہ اس میں پتھر سے آگ دہکائی جائے گی۔ اُس آگ کو اِس دنیا کی آگ کی طرح مت سمجھو۔ وہ آگ بہت زیادہ دہکائی ہوئی ہوگی جس میں انسان اور پتھر ہوں گے۔

اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۴﴾ وہ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور خوشخبری دیجیے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے۔

یہ قرآن مجید کی دعوت کا خلاصہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں محمد رسول اللہ ﷺ پر اور اچھے کام کیے ہیں، ان کے لیے بشارت ہے خوشخبری ہے۔ وہ تکلیفیں برداشت کررہے ہیں تو انجام اللہ کے ہاں بہت اچھا ہوگا۔

اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ کہ اُن کے لیے ایسے باغات ہوں گے جن کے دامن میں نہریں بہہ رہی ہوں گی۔

كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا جب کبھی ان کو وہاں کھانے کو کوئی پھل دیا جائے گا

قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وہ کہیں گے (اے اللہ) ایسے پھل تو ہم دنیا میں بھی کھاتے رہے ہیں، پہلے بھی ہمیں ملے ہیں

وَ اُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا اور وہاں جو پھل دیے جائیں گے وہ ان دنیاوی پھلوں سے مشابہ ہوں گے سیب کوئی ہوگا تو شکل اسی جیسی ہوگی مگر اُس کا ذائقہ، تاثیر اور اس کی حقیقت اس سے کہیں زیادہ مختلف ہوگی۔ اسی لیے اہل ایمان کی زبان پر ہوگا یہ پھل تو ہم دنیا میں بھی کھاتے رہے ہیں۔

وَ لَهُمْ فِیْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ اور ان اہل ایمان (مردوں اور عورتوں دونوں) کے لیے وہاں ان کے پاکیزہ جوڑے ہوں گے۔

زوج کی جمع اَزواج۔ زوج کے معنی جوڑا۔ وہاں پاکیزہ جوڑے ہوں گے مردوں کے لیے بھی اور عورتوں کے لیے بھی۔

وَّ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾ اور اس جنت میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

اس جنت میں جو داخلہ ہے وہ خلود کا داخلہ ہے وہاں کوئی داخل ہوگا تو پھر نکلنا نہیں ہے (اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں میں شامل کرے، آمین)۔

اگلی آیت کا پس منظر یہ ہے کہ کافر لوگ جب قرآن مجید جیسی کوئی سورۃ نہیں بنا سکے تو انھوں نے کچھ اعتراضات کیے۔ ان میں سے ایک اعتراض یہ تھا کہ اگر یہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بلند و برتر ہے تو وہ اس میں کبھی مکھی کی مثال بیان فرما دیتا ہے کبھی مچھر کی بیان فرما دیتا ہے کبھی مکڑی کی مثال بیان فرما دیتا ہے۔ یہ بات اللہ کے کلام سے مطابقت نہیں رکھتی۔ یہ ان کا ایک اعتراض تھا حالانکہ یہ چیزیں مثال کے لیے بیان کی گئی ہیں اور جس چیز کی مثال ہو ہی مچھر کے برابر اس میں مچھر کی مثال ہی دی جا سکتی ہے یا مکھی کے برابر ہو تو مکھی کی مثال دی جا سکتی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَحْیٖۤ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا بے شک اللہ تعالیٰ اس بات سے نہیں شرماتا کہ بیان کرے کوئی مثال مچھر کی یا اس سے بڑھ کر کسی چیز کی

فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فَیَعۡلَمُوۡنَ اَنَّہُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ

تو جو ایمان والے ہیں وہ تو جانتے ہیں یہ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

اللہ نے یہ مثال بیان فرمائی ہے۔

وَاَمَّا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہے۔جن کے دل میں روگ ہے

فَیَقُوۡلُوۡنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰہُ بِہٰذَا مَثَلًا وہ فوراً بول پڑتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اس مثال کو بیان کرنے کا کیا فائدہ۔

یُضِلُّ بِہٖ کَثِیۡرًا وَّ یَہۡدِیۡ بِہٖ کَثِیۡرًا (یہ قرآن مجید جو اللہ کی کتاب ہے) اس سے کچھ لوگ ہدایت حاصل کرتے ہیں اور کچھ لوگ گمراہی حاصل کرتے ہیں۔

ہدایت حاصل کرنے کے لیے پہلا سبق یاد ہونا چاہیے اور اگر پہلا سبق یاد نہیں ہے انسان ضمیر کے مطابق زندگی بسر نہیں کر رہا حلال حرام کی تمیز ختم ہو چکی ہے نیکی اور بدی کے سارے پیمانے ختم ہو چکے ہیں تو ایسے شخص کو قرآن سے ہدایت نہیں مل سکتی۔

وَمَا یُضِلُّ بِہٖۤ اِلَّا الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿۲۶﴾ اور نہیں گمراہ ہوتے اس قرآن سے مگر وہی لوگ جو فاسق ہیں جو اللہ کے نافرمان ہیں۔

الَّذِیۡنَ یَنۡقُضُوۡنَ عَہۡدَ اللّٰہِ مِنۡۢ بَعۡدِ مِیۡثَاقِہٖ وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کیا ہوا وعدہ توڑتے ہیں۔

یہود کی طرف اشارہ سمجھیں تو انہوں نے اللہ سے کئی وعدے کیے تھے جو توڑ دیے، آگے جن کا ذکر آئے گا۔عام انسان کی بات سمجھیں تو ہم اللہ کے ساتھ ایک معاہدہ کر کے آئے ہیں اس کا ذکر سورۂ اعراف میں ہے (جو سورۂ بقرہ سے پہلے نازل ہو چکی ہے) کہ ہر انسان سے اللہ نے عالمِ ارواح میں ایک وعدہ لیا ہوا ہے ﴿اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ قَالُوۡا بَلٰی﴾ اور سب نے کہا ہوا ہے کہ اے اللہ! تو ہمارا رب ہے۔تو وہ لوگ جو اس وعدے کو توڑتے ہیں

وَ یَقۡطَعُوۡنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖۤ اَنۡ یُّوۡصَلَ اور قطع کرتے ہیں اس چیز کو جس کو اللہ نے ملانے کا حکم کیا ہے۔صلہ رحمی ہے، رشتوں کو نہ توڑنا ہے۔

وَ یُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں

أُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ وہ لوگ ہیں جو نقصان والے ہیں۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ لوگو! تم کیسے انکار کرتے ہو اللہ کا

وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ حالانکہ تم مردہ تھے، اللہ نے تمہیں زندہ کیا۔

ساری چیزوں سے پہلے اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے یعنی انسانوں کی روحیں پیدا کی ہیں پھر ان سے وہی وعدۂ الست لیا پھر انسانوں کو سلا دیا پھر اس دنیا میں دوبارہ زندہ کیا

ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ پھر وہ تم کو مارے گا

یعنی اس دنیا میں تمہیں موت آئے گی

ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ پھر وہ تم کو زندہ کرے گا

یعنی آخرت میں (قیامت کے دن) دوبارہ زندگی ہوگی

ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾ پھر تمہیں اللہ کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔

ہم انسانوں کی زندگی کی حقیقت صرف پیدائش سے لے کر موت تک کا وقفہ نہیں ہے بلکہ بہت پہلے سے ہماری زندگی کا آغاز ہے وہ عہدِ الست ہے جہاں سے ہم آئے ہیں اور آخر وہیں جانا ہے اس میں موت اور زندگی کے کئی وقفے آئے ہیں تو اب اگر ایک موت اور آجائے گی تو کیا فرق پڑتا ہے۔ موت ختم ہو جانے کا نام نہیں ہے موت تو ایک وقفے کا نام ہے جس کے بعد انسان تازہ دم ہو کر آگے بڑھتا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے واسطے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب۔

یہ ہے انسانیت کا شرف کہ اللہ نے انسان کو اس دنیا میں بنایا ہے اور سب سے اہم ترین مخلوق انسان ہے جو اشرف المخلوقات ہے جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل میں کہا گیا ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ﴾ ہم نے آدم کی اولاد کو دنیا میں فضیلت دی ہے۔ یہاں بھی فرمایا کہ دنیا میں جو کچھ پیدا کیا وہ سب ہم نے انسان کے لیے پیدا کیا ہے انسان کے لیے شرف ہے ہر چیز اس کے تابع کر دی گئی ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آسمان کا قصد

فرمایا اور سات آسمانوں کو بھی ٹھیک بنا دیا۔

وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٩﴾ اور اس کائنات میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے سب اس کے علم میں ہے وہ اس سے واقف ہے۔

یہ سورۂ بقرہ کا تیسرا رکوع مکمل ہوا، اس رکوع کی آخری دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حقیقت انسان بیان فرمائی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ جب تک انسان اپنی حقیقت یعنی اپنی عظمت سے واقف نہ ہو کہ میں اللہ کی مخلوقات میں سب سے اعلیٰ درجہ پر ہوں، اشرف المخلوقات ہوں یا جیسا کہ روایت میں ہے کہ ''اللہ نے انسان کو اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا ہے'' یعنی خصوصی طور پر تخلیق فرمائی ہے، اس وقت تک انسان کو اپنے مقام اور اپنی عظمت کا احساس نہیں ہوسکتا اور جب انسان کو اپنی عظمت کا احساس ہوگا کہ میں اللہ کی کتنی خاص مخلوق ہوں اور پھر مجھے دنیا میں اللہ کا خلیفہ ہونے کا مقام حاصل ہے، تو پھر ہی انسان اس کی بندگی کا حق ادا کرنے کی کوشش کرے گا۔ یہ چیز اگرچہ احکام کے درجے میں نہیں ہے لیکن جو قرآن مجید کا فلسفہ ہے حکمت ہے کہ ایک بہترین مسلمان کی زندگی گزارنے کے لیے ان چیزوں کا ادراک ضروری ہے جو شخص بھی سوچنے سمجھنے کی سطح پر ہے اور اس کو ان چیزوں کا ادراک ہے تو وہ صحیح معنوں میں ایک مسلمان بنے گا کہ وہ نماز پڑھ رہا ہوگا روزے رکھ رہا ہوگا اس کے ساتھ اُس کے دل میں ایک آمادگی بھی ہوگی ایک شوق بھی ہوگا وہ مارے باندے کی اللہ کی اطاعت اور عبادت نہیں کر رہا ہوگا بلکہ ایک جذبے کے تحت ایک احساس کے تحت کہ میں اشرف المخلوقات ہوں، اللہ نے مجھے اسی کام کے لیے بنایا ہے، میں اپنے مقصد وجود کو پورا کر رہا ہوں تو اس میں انسان کے لیے ایک عظمت ہے اور اس عظمت کے ساتھ احساس بھی ہو خود شعوری بھی ہو تو پھر یہ کمال درجے کی بات ہے۔

آیات 30 تا 39

یہ سورۂ بقرہ کا چوتھا رکوع شروع ہو رہا ہے اور اس میں حضرت آدم کی تخلیق اور ان کے خلیفہ بنائے جانے کا تذکرہ ہے۔ اس کے ضمن میں پھر چند باتوں کا تذکرہ ہے:

ایک تو اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کے ساتھ مکالمہ ہے کہ اللہ نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں انسان کو خلیفہ بنا رہا ہوں۔ اس پر فرشتوں نے ایک نکتہ اعتراض اٹھایا۔ اللہ نے اس کا جواب

دیا ہے کہ ہم انسان کو جب خلیفہ بنا رہے ہیں تو اس کے لیے اس کو جو جملہ صلاحیتیں درکار ہیں وہ بھی اس کو عطا فرما دی ہیں۔

دوسرا اس رکوع میں یہ ہے کہ فرشتوں سے آدم کو سجدہ کرایا گیا کہ ہم دنیا میں انسان کو خلیفہ بنا کر اختیار دے رہے ہیں تو اب دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو فرشتے بہت سارے کاموں پر مامور ہیں ان کو گویا کہ انسان کا تابع بنا دیا گیا تا کہ انسان کسی کام کو کرنا چاہے اس خلافت کے تقاضے ادا کرنا چاہے تو فرشتے راستے میں رکاوٹ نہ بنیں بلکہ انسان بااختیار مخلوق ہے جو کچھ کرنا چاہے اچھا یا برا، وہ فرشتے اس کا راستہ چھوڑ دیں۔ یہ گویا کہ فرشتوں کا ایک سجدہ تھا جو انسان کے سامنے کرایا گیا اس معنی میں کہ ان کو اس کا تابع کر دیا۔

تیسرا اس رکوع میں ابلیس کا ذکر ہے اور یہ ذکر حسد اور بغض سے متعلق ہے کہ اس کو برتری کا احساس ہو گیا کہ میرا مادۂ تخلیق زیادہ ارفع، اعلیٰ اور لطیف ہے، انسان ایک گھٹیا مخلوق ہے تو میں اعلیٰ درجے کا ہوتے ہوئے اس گھٹیا کے سامنے کیوں سجدہ ریز ہو جاؤں۔ شیطان نے اس جرم کا ارتکاب کیا اور کبر اور حسد کی وجہ سے سجدہ نہیں کیا، انسان کا مطیع نہیں بنا، راندۂ درگاہ ہو گیا۔ اس میں دراصل یہود کے لیے سبق پنہاں ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ہیں، وہ یہود آپ کو پہچانتے بھی ہیں، آگے ذکر آئے گا ﴿يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ﴾ (وہ محمد ﷺ کو اور قرآن کو پہچانتے ہیں جیسا کہ لوگ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں) اس کے باوجود ایمان نہیں لائے۔ کیا وجہ تھی؟ حسد تھا، کبر تھا کہ یہ ہماری نسل میں آنے چاہیے تھے، بنی اسماعیل میں کیوں آ گئے۔ لہٰذا انھوں نے نہیں مانا، آخرت تباہ کر لی لیکن ضد نہیں چھوڑی۔ تو اس واقعہ میں ان کے لیے بھی سبق پنہاں ہے۔

آخری بات جو اس واقعہ میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ اصل ہدایت اور اصل علم وہ ہے جو وحی کا علم ہے۔ اللہ نے آدم کو فرمایا کہ جاؤ تم زمین میں چلے جاؤ ﴿فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى﴾ میری طرف سے تمہاری رہنمائی ہو گی۔ جو رہنمائی تمہاری سرشت اور فطرت میں ہم نے ڈالی ہے وہ تو ڈالی ہی ہے ﴿فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا﴾ لیکن جو مزید علم تمہیں درکار ہے، جو سورۃ الفاتحہ میں ہم نے اعتراف کیا ہے ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ اے اللہ تو ہمیں سیدھا

راستہ دکھا، تو کن کاموں سے راضی ہوتا ہے اور کن سے ناراض ہوتا ہے اس کا احساس ہمیں نہیں ہے تو ہمیں راستہ دکھائے گا تو ہم اسے پاسکیں گے۔ اس پر اللہ نے فرمایا: ﴿فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾ میری طرف سے وقفے وقفے سے تمہاری طرف وہ ہدایت آئے گی، انبیاء اور رسول آئیں گے، کتابیں آئیں گی، صحیفے آئیں گے تو جو کوئی اس کی پیروی کرے گا وہ ہدایت یافتہ ہو جائے گا اس کے لیے کامیابی ہے اور جو آدمی اس کا انکار کرے گا اور تکذیب کرے گا وہ آگ والا بنے گا جہنم میں جائے گا۔ یہ چار سبق اس واقعہ سے حاصل ہوتے ہیں جو اس چوتھے رکوع میں اللہ نے بیان فرمایا ہے۔

ایک اور چیز بھی پہلے ہی ذکر کر دی جائے تو رواں ترجمہ جلدی سے کر لیں گے، کہ قرآن مجید میں سورۃ الذاریات کے اخیر میں کہا گیا ہے ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ﴾ ''میں نے نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو مگر اس لیے کہ وہ میری بندگی کریں''۔ تیسرے رکوع کے شروع میں بھی آیا ہے یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا ''اے لوگو! اللہ کی بندگی اختیار کرو''۔ تو بعض لوگوں کو یہ شک ہو جاتا ہے کہ انسان کی تخلیق کا مقصد صرف عبادات اور تسبیحات و تہلیلات ہیں لیکن اس کے ساتھ یہ حقیقت اگر سامنے رہے تو پھر اس غلط فہمی کا اندیشہ نہیں ہے کہ اللہ نے انسان کو پیدا تو عبادت کے لیے ہی کیا ہے فرداً فرداً ہر شخص کی زندگی کا مقصد اپنے اللہ کو راضی کرنا، اس کے کہنے کے مطابق زندگی بسر کرنا ہے لیکن اللہ نے انسان کو ایسا بنایا ہے کہ وہ مل جل کر رہتا ہے، جیسے کہتے ہیں کہ انسان مل جل کر رہنے والا حیوان ہے۔ اس دنیا میں اللہ نے انسان کو ایک اجتماعی زندگی بھی عطا کی ہے۔ جہاں اس کا مقصد تخلیق عبادت ہے وہاں بھیجا ہے تو اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا ہے لہٰذا ایک اجتماعی نظام میں عدل وقسط اور انصاف اور لوگوں کا اپنے جائز حقوق پر قانع رہنا اور نہیں رہتے تو ان کو ان کے جائز حقوق پر قانع رکھنا یہ اس کی ذمہ داری ہے۔ گویا کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے ذاتی عبادت کے ساتھ ساتھ اللہ کی کائنات میں خاص طور پر کرۂ ارضی میں اگر نظام بگڑتا ہے فساد پھیلتا ہے یا شرک پنپتا ہے تو اس کی ذمہ داری حضرت انسان پر آتی ہے۔ اس نظام کو درست رکھنا اور اللہ کے فرامین اور احکام کے مطابق درست رکھنا یہ انسان کو دنیا میں بھیجے جانے کا مقصد ہے۔ مقصد تخلیق عبادت ہے لیکن جب اللہ نے دنیا میں بھیجا ہے تو خلیفہ بنا کر بھیجا

ہے۔اس عبادت اور خلافت کو باہم لازم وملزوم دیکھیں گے تو بات سمجھ میں آجائے گی ورنہ انسان کو یہ غلط فہمی رہتی ہے کہ میں ذاتی طور پر اللہ کی عبادت کر رہا ہوں اس سے آگے میری کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً اور یاد کرو جب فرمایا تھا تیرے رب نے فرشتوں سے کہ میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک خلیفہ۔

خلیفہ کا لفظ خلف سے بنا ہے۔ جو کسی کی غیر موجودگی میں اس کی نمائندگی کرے (عارضی طور پر غیر موجودگی، یا نظر نہ آنے کی وجہ سے غیر موجودگی) اور جہاں جہاں اس کے احکام اور فرامین موجود ہیں وہاں ان کو پورا کرے اور جہاں کہیں اس کی ہدایات واضح نہیں ہیں وہاں اپنی مرضی کر سکے اس کو اختیار ہے۔ جیسے ہندوستان میں جب انگریزوں کی حکومت اور قبضہ تھا تو اصل بادشاہ تو تخت برطانیہ تھا یعنی وہاں جو ملکہ بیٹھی تھی یا بادشاہ بیٹھا تھا وہ اصل حکمران تھا لیکن اس کا یہاں ایک وائسرائے ہوتا تھا جو احکام وہاں سے آتے تھے ان کی پابندی من وعن اس پر لازم تھی، نہ کرے تو فوراً معزول کر دیا جائے لیکن جو احکام وہاں سے موصول ہو رہے ہیں ان میں کوئی خلا یا کوئی کمی ہو تو وہاں وہ اپنا اختیار استعمال کر سکتا تھا۔ یہی مثال ہے انسان کی کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے لیکن بہر حال اس دنیا میں اللہ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنایا ہے اور ہدایت بھیجی ہے جہاں جہاں اللہ کی ہدایت آجائے اس کی پیروی لازم ہے اس میں تو کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی پوری پارلیمنٹ کے سو فیصد لوگ بھی ووٹ دے دیں تو نماز کی رکعتوں میں، نماز کی تعداد میں اور اللہ کے کسی حکم میں کوئی تبدیلی نہیں کی جا سکتی۔ ہاں جہاں یہ وحیٔ خداوندی خاموش ہو وہاں انسان اپنے اختیار سے، کثرتِ رائے یا اتفاقِ رائے سے جو جی چاہے بنالے۔ یہ ہے وہ خلیفہ کا تصور جو قرآن مجید میں ہے کہ یہ ماننا چاہیے کہ اصل حاکمیّت اللہ کی ہے، قانون بنانے اور قانون دینے کا اختیار اللہ کو ہے محمد رسول اللہ ﷺ بھی اس کے نمائندے کی حیثیت سے ہیں۔ اور کسی کی اطاعت غیر مشروط نہیں ہو سکتی۔ فرمایا: یاد کرو جب فرمایا تھا تیرے رب نے فرشتوں سے کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے جا رہا ہوں ایک با اختیار مخلوق بنانے جا رہا ہوں۔

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا تو فرشتوں نے کہا: اے اللہ! کیا آپ اس میں اُس کو خلیفہ بنائیں گے

مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ جو زمین میں فساد پھیلائے گا (یعنی تیری نافرمانی کرے گا) اور (آپس میں) خون بہائے گا۔

جہاں بھی بااختیار مخلوق ہوگی وہاں ان کی مرضی کا ٹکرا جانا یہ قرین قیاس ہے۔ آپ دو کھلونوں میں چابی بھر کر کسی جگہ چھوڑ دیں تو وہ بھی آپس میں ٹکرا جائیں گے اس کی اپنی ڈائریکشن ہے اس کی اپنی ڈائریکشن ہے لہٰذا ٹکرا جائیں گے۔ جہاں آزاد مرضی ہوگی وہاں ٹکراؤ (CLASH) ہوگا اندرونی خواہشات کا، اختیارات کا۔ دو قسم کے CLASH ممکن ہیں ایک تو انسان کا انسانوں کے درمیان CLASH ممکن ہے جس کا نتیجہ يَسْفِكُ الدِّمَآءَ خون بہانا ہوگا، لڑائی جھگڑے ہوں گے، سلطنتیں بڑھانے کے لیے خون ریز لڑائیاں ہوں گی۔ اور ایک انسان کا اپنے خالق (اس اَنائے صغیر کا اُس اَنائے کبیر) کے ساتھ بھی ٹکراؤ ہوگا۔ اللہ کی مرضی کچھ اور ہے انسان کچھ اور کر رہا ہے۔ اس سے دنیا میں شرک وجود میں آتا ہے۔ تو فرشتوں نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا کہ اے اللہ! اگر زمین میں آپ کوئی بااختیار مخلوق بنانے جا رہے ہیں تو یہ دو نتیجے تو اس کے لازمی ہیں ایک آپس میں ان کی آزاد مرضی CLASH کرے گی، خون خرابہ ہوگا اور جنگیں ہوں گی۔ دوسرے تیرے مقابلے میں بھی وہ آئیں گے مدمقابل بنیں گے، شرک کریں گے اور فساد ہوگا۔

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ اور اے اللہ! ہم تیری تسبیح کرتے ہیں تیری خوبیوں کے ساتھ، اور تیری پاک ذات کو یاد کرتے ہیں۔

اس میں یہ بات چھپی ہوئی ہے کہ اگر کسی درجے میں اپنی نیابت کا اعزاز دینا ہی ہے تو ہم زیادہ حقدار ہیں کہ کسی قسم کا شرک اور خون خرابہ ہماری شرست میں ہی نہیں ہے۔

قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ اللہ نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں وہ جو تمہیں معلوم نہیں ہے۔

گویا کہ پہلے ایک مسکت جواب دے دیا۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا اور اللہ نے آدم کو سکھا دیے سب چیزوں کے نام۔

جب اللہ نے انسان کو دنیا میں خلیفہ بنا کر بھیجنا چاہا تو یہ ساری دنیا کا جو نظام ہے جس پر یہ دنیا بنی ہے ان تمام چیزوں کا علم Net shell میں انسان کو سمجھا دیا انسان کی سرشت میں ڈال دیا

گیا انسان کے ذہن اور دماغی کمپیوٹر میں اللہ نے جو بھی پروگرام ڈالا ہے اس میں وہ چیز فٹ کر دی گئی کہ انسان دنیا میں جائے گا تو LOGIC کے ذریعے سے، منطق کے ذریعے سے، نتائج نکالنے کے ذریعے سے اس دنیا میں چیزوں کو دیکھتا چلا جائے گا اور آگے سے آگے نتائج نکال کر اعلیٰ سے اعلیٰ درجے تک پہنچتا چلا جائے گا۔ یہ علم اللہ نے انسان کو عطا فرما دیا ہے۔

ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ پھر اللہ نے ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے کر دیا

فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ اللہ نے فرشتوں سے فرمایا کہ (اگر آدم کو خلیفہ بنانا صحیح نہیں ہے تو) تم ان چیزوں کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا فرشتوں نے کہا: اے اللہ تو پاک ہے، ہمیں تو وہی علم ہے جو آپ نے ہمیں سکھا دیا۔

یہاں پر توحید کا ایک بہت گہرا نکتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی مخلوق کو جو کچھ علم عطا فرما دے اس کے پاس اتنا ہی علم ہو سکتا ہے۔ نبی ہو، رسول ہو، کوئی بھی ہو جتنا علم اللہ نے دے دیا وہ علم ہمارے پاس ہے اس سے زیادہ کسی انسان کے لیے از خود اکتسابِ علم کر لینا از خود علم حاصل کر لینا ممکن نہیں ہے۔ یہی فرشتوں نے اعتراف کیا کہ اللہ جو کچھ آپ نے ہمیں سکھا دیا وہ ہمیں معلوم ہے اس سے آگے تو ہم نہیں جان سکتے۔

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾ العلیم تو آپ ہیں الحکیم تو آپ ہیں۔

قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ اللہ تعالیٰ نے (حضرت آدم سے) فرمایا کہ اے آدم ان فرشتوں کو ان چیزوں کے نام گنوا دو

فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ پھر جب بتا دیے آدم نے ان چیزوں کے نام

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ تو اللہ نے فرمایا کیا تم کو معلوم نہیں کہ میں خوب جانتا ہوں جو کچھ تم سے چیزیں چھپی ہوئی ہیں آسمانوں کی اور زمین کی

وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾ اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔

اس میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ فرشتوں کو بھی احساس تھا کہ اللہ تعالیٰ

اگر ہمیں خلافت کا یہ اعزاز عطا فرمائے تو ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں تو اللہ نے فرمادیا کہ جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو وہ میں خوب جانتا ہوں۔

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ اور یاد کرو کہ جب ہم نے فرشتوں کو کہا کہ سجدہ کرو آدم کو۔

اب ممکن ہے کہ پہلے مکالمے میں اور اس مکالمے میں کئی زمانوں یا کئی سالوں کا فرق ہو۔ اور یہ سجدہ جیسے ہم نماز میں سجدہ کرتے ہیں اس طرح کا سجدہ نہیں تھا بلکہ رکوع اور جھکنا بھی ایک طرح کا سجدہ ہے اور کسی کے سامنے سر جھکا لینا جیسے پرانے زمانے میں بادشاہوں کے سامنے ہوتا تھا وہ بھی اسی لیے ہمارے دین میں منع کر دیا گیا کہ سر جھکانا بھی دراصل سجدہ کے حکم میں آتا ہے۔ فرشتوں کا جو سجدہ حضرت آدم کے سامنے تھا وہ اس معنی میں نہیں تھا جیسے ہم پیشانی زمین پر رکھتے ہیں بلکہ وہ سجدہ اس معنی میں تھا کہ فرشتوں کو انسان کا تابع بنا دیا گیا۔ اس دنیا میں کتنے ہی فرشتے ہیں، کوئی موت کے پروانے لیے پھر رہا ہے، کوئی رزق لیے پھر رہا ہے، کوئی اور چیزوں پر مامور ہے، دو فرشتے کراماً کاتبین تو اللہ نے ہر انسان کے ساتھ لگا دیے ہیں لیکن کبھی کسی کام میں رکاوٹ نہیں آئی، کبھی محسوس نہیں ہوا کہ یہاں کوئی فرشتہ بیٹھا ہے تو ایسا کام نہیں کرنا چاہیے۔ یہ اللہ نے فرشتوں کو ہمارے لیے مسخر کر دیا ہے کہ انسان اس کرۂ ارضی پر بااختیار مخلوق ہے جو کام وہ کرنا چاہے گا کبھی فرشتہ مانع نہیں ہوگا۔

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ تو سجدہ کیا سب فرشتوں نے سوائے ابلیس کے۔

ابلیس بنیادی طور پر جنوں میں سے تھا لیکن بہت عبادت گزار ہونے کی وجہ سے فرشتوں کے ساتھ شامل ہو گیا لہٰذا جب حکم ہوا تو وہ بھی اسی حکم میں شامل ہو گیا لیکن اس نے انکار کیا۔ یہ واقعہ ہم سورۃ البقرہ میں پڑھ رہے ہیں یہ مدنی سورت ہے اس سے پہلے جو مکی قرآن ہے اس میں یہ واقعہ چھ مرتبہ آچکا ہے اور مختلف انداز میں آیا ہے۔ قرآن مجید میں جو واقعہ دہرایا جاتا ہے تو اس میں ہر دفعہ وہی باتیں نہیں دہرائی جاتیں بلکہ کہیں کسی بات کا ذکر کر دیا جاتا ہے کہیں کسی بات کا ذکر کر دیا جاتا ہے۔ یہاں یہود کے حوالے سے ابلیس کا ذکر کیا گیا کہ انہوں نے تکبر کیا انہوں نے محمد رسول اللہ ﷺ کو نہیں مانا یہ وہی ابلیسیت ہے جو ابلیس نے بھی کیا تھا۔ ابلیس کا معنی ہے انتہائی مایوس۔

اَبٰی وَاسْتَكْبَرَ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا

وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ وہ تو تھا ہی کافروں میں سے، یا دوسرا معنی ہے کہ وہ ہو گیا کافروں سے۔

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ اور ہم نے کہا اے آدم! اب تو اور تیری بیوی (حوا) تم دونوں اس جنت میں رہو۔

اب اس میں بھی زمانی فصل ہوسکتا ہے اور قرآن مجید یہاں خاموش ہے کہ حوا کی پیدائش کیسے ہوئی۔ سورۃ النساء میں بیان ہوا ہے کہ اللہ نے آدم کو پیدا کیا اور اسی میں سے اس کی بیوی (حوا) کو پیدا کیا پھر اس ایک انسانی جوڑے سے تمام نسل انسانی پھیلا دی۔

وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا اور اس جنت میں تم خوب آزادی کے ساتھ جو چاہو کھاؤ

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ البتہ یہ ایک درخت ہے اس کے قریب مت جانا۔

اللہ نے امتحان کے طور پر اس درخت سے منع کر دیا۔ اب یہ جنت جس میں حضرت آدم اور حضرت حوا علیہا السلام کو داخل کیا گیا یہ کونسی جنت تھی؟ بہرحال یہ وہ جنت تو نہیں تھی جس میں قیامت کے دن حساب کتاب ہونے کے بعد لوگ داخل ہوں گے اس لیے کہ اس کے بارے میں قرآن مجید میں ہے کہ وہاں تو خلود ہے ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا﴾ وہاں سے لوگ نکلیں گے نہیں۔ لہٰذا یہ کوئی اور جنت تھی۔ ایک رائے یہ ہے کہ وہ جنت کہیں آسمانوں پر ہے، ایک رائے یہ بھی ہے کہ اسی زمین پر کہیں وہ جنت تھی عارضی طور پر کوئی باغ تھا۔ صاف ظاہر ہے کہ دو انسانوں نے رہنا ہے اس کے لیے اللہ نے کوئی باغ بنایا تھا اور اسی میں ان کو امتحانی طور پر ٹھیرایا گیا تھا۔ اصل تو انسان کو اس زمین کے معرکوں کے لیے پیدا کیا گیا ہے کہ یہاں خیر اور شر کا معرکہ گرم ہو اور انسان اس میں اللہ کو پہچانے اور اللہ کا کہنا مانتے ہوئے زندگی گزارے اور آخرت میں کامیاب ہو جائے۔ اُس جنت میں تو عارضی طور پر ٹھہراؤ تھا۔ بہرحال اس بارے میں ایک رائے یہ بھی ہے۔ زیادہ یہ تفصیل کا موقع نہیں ہے۔ اللہ نے ایک درخت سے منع کر دیا کہ اس درخت کے قریب مت جانا، اگر تم نے یہ کیا.....

فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ تو پھر تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا تو شیطان نے ان دونوں کو ورغلایا۔

قرآن مجید میں ہے کہ اُن دونوں کو شیطان نے گمراہ کیا۔ بائبل کے ذریعے سے یہ تصور عام ہوگیا ہے کہ شیطان نے حضرت حوا یعنی عورت کو ورغلایا، اس نے پھر مرد کو ورغلایا۔ گویا کہ مردوں کی گمراہی بھی عورت کے سر ڈال دی گئی ہے کہ وہ سب سے پہلے گمراہ ہوئی۔ قرآن مجید ایسا نہیں کہہ رہا بلکہ قرآن مجید یہ دھبا عورتوں سے دھو رہا ہے کہ اس شیطان نے دونوں کو ورغلایا

فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ اور دونوں کو نکال دیا اس کیفیت سے جس میں وہ تھے۔

سورۃ طٰہٰ میں ہے کہ شیطان نے ان کو ورغلایا اور جو پٹی پڑھائی وہ یہ تھی کہ اللہ نے تمہیں اس درخت سے منع اس لیے کیا ہے کہ اگر تم نے یہ درخت کھالیا تو پھر تم جنت میں ہمیشہ رہو گے، اللہ تمہیں اس جنت سے نکالنے والا ہے لہٰذا تم اس درخت کو کھالو گے تو تمہیں اس جنت سے کوئی نکال نہیں سکے گا۔ سورۂ اعراف میں ہے کہ ﴿وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّىْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ﴾ اور شیطان نے قسم کھائی (یہ اس کا شیطانی طریقہ ہے قسم کھانے کا) کہ میں تمہارا ہمدرد ہوں تم میری بات مان لو اور جب انہوں نے اس درخت کو کھالیا تو جو کیفیت پہلے تھی وہ اس سے نکل آئے پھر اللہ نے ان دونوں کو جنت سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔

وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اور ہم نے انسان کو کہہ دیا کہ اب تم اس جنت میں سے نکل جاؤ اس لیے کہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔

اِهْبِطُوْا کے معنی بلندی سے نیچے اُترنے کے بھی ہیں اور اِهْبِطُوْا کے معنی شہری زندگی میں چلے جانے کے بھی ہیں، جیسے کوئی دیہات سے شہر کو منتقل ہو جاتا ہے شہری زندگی اختیار کر لیتا ہے۔ اس معنی میں بھی آتا ہے کہ تم شہر میں یعنی دنیا میں جا کر آباد ہو جاؤ۔

وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾ اور تمہارے واسطے زمین میں ٹھکانہ ہے اور وہاں کی نعمتوں سے فائدہ حاصل کرنا ہے ایک خاص مدت تک۔

ہر انسان کی ایک زندگی مقرر ہے وہاں تک تمہیں دنیا میں رہنا ہوگا اور پھر اس کے بعد ہمارے پاس آنا ہوگا۔

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ پھر سیکھ لیے آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمات۔

جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے نکال دیے گئے تو انھیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اعترافِ گناہ کیا کہ غلطی ہوگئی نافرمانی ہوگئی۔ صاف ظاہر ہے اللہ کے نبی بھی تھے اللہ سے ہم کلامی کا شرف بھی تھا۔ یہ پہلا واقعہ تھا اللہ کی نافرمانی کا تو اللہ تعالیٰ نے خود حضرت آدمؑ کو سکھایا کہ توبہ کیسے کرنی ہے، انسان کو معلوم نہیں تھا۔ سورۃ اعراف میں ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی کہ اللہ نے کیا الفاظ سکھائے تھے ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ یہ وہ کلمات سکھائے جن سے انہوں نے دعا کی تو اللہ نے ان کی خطا معاف کر دی۔

فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾ (اس نے اللہ سے توبہ کی) اللہ ان کی طرف متوجہ ہو گیا بیشک اللہ تواب (بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا) ہے (اور) رحم فرمانے والا ہے

بار بار توبہ کرنے سے بھی اللہ ناراض نہیں ہوتا۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ہم نے حکم دیا کہ نیچے چلے جاؤ تم سب کے سب

یعنی شیطان بھی اسی دنیا پر آ گیا اور آدمؑ اور حوا بھی اسی دنیا پر آ گئے۔

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى پھر جب بھی تم میں سے کسی کو میری طرف سے ہدایت پہنچے

اس رکوع میں دو علم بیان ہوئے ہیں: ایک ہے ﴿وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ﴾ ایک ہے اشیاء کا علم، ایک ہے PHYSICAL چیزوں کا علم۔ یہ مادی علم ہے جس میں انسان ترقی کر رہے ہیں یہ تو انسان کو بحیثیت انسان دیا گیا ہے، اس میں کافر بھی محنت کریں گے تو آگے نکل جائیں گے مسلمان بھی محنت کریں گے تو آگے نکل جائیں گے۔ لیکن ایک ہے علمِ وحی اور علمِ ہدایت جو نبیوں اور رسولوں کے ذریعے سے آئے گا۔ یہی وہ علم ہے جس کے آج ہم مسلمان وارث ہیں۔ لیکن اس علم کو لے کر گھر بیٹھ جانا یہ اس علم کا تقاضا نہیں ہے بلکہ اس علم پر خود بھی علم کرنا اور دوسروں تک بھی پہنچانا ہماری ذمہ داری ہے۔ جب تک دنیا میں نبی اور رسول آ رہے تھے یہ کام ان کے ذمہ تھا لیکن ختمِ نبوت اور ختمِ رسالت کے بعد یہ ذمہ داری میرے اور آپ کے اوپر ہے۔

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى پھر جب بھی تم میں سے کسی کو میری طرف سے ہدایت پہنچے۔

فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ تو جو کوئی اتباع کرے گا میری ہدایت کا

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾ نہ اس پر کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی غم ہوگا (وہ

امن اور سکون سے رہے گا)۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو۔
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾ وہ ہیں آگ والے اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

کفر کے لفظی معنی ہوتے ہیں چھپانا۔ ہر شخص کو تجربہ ہے کہ بعض اوقات انسان کے سامنے کوئی حقیقت آتی ہے مثلاً قرآن مجید کی کوئی بات یا اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ کا کوئی فرمان، تو دل فوراً گواہی دیتا ہے کہ ہاں یہ حقیقت ہے لیکن جب عمل کرنے کا موقع آتا ہے تو وہ کہتا ہے یہ بڑا مشکل ہے یہ تو ایسے ہو جائے گا ویسے ہو جائے گا۔ گویا کہ اس نے ایک حقیقت کا اعتراف کر لیا اس کے دل نے گواہی دے دی اب زبان سے نہیں کہہ رہا، عمل نہیں کر رہا تو وہ حقیقت اس نے چھپالی ہے۔ دل میں چھپالیا زبان سے انکار کر دیا کہ میرا دل تو نہیں مان رہا۔ یہ ہے کفر کی حقیقت۔ کتنی ہی باتیں ہیں جن میں ہم ایسا کرتے ہیں، اس معنی میں لفظی اعتبار سے ہم کفر کرتے ہیں۔ کافر کا لفظ جو مسلمان کے مقابلے میں بولا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اس نے پوری زندگی میں اللہ کا انکار کر دیا اور آخرت کا انکار کر دیا لیکن کچھ کاموں کا انکار اور کفر تو ہر شخص کرتا ہے اور کئی مواقع پر کرتا ہے۔ کفر کے لفظی معنی چھپالینا ڈھانپ لینا اور تکذیب اس سے اگلا درجہ ہے کہ آدمی ہٹ دھرمی میں آ کر، اُس شخص کو جو اچھی بات کہہ رہا ہے، کہہ دے کہ تو جھوٹ بول رہا ہے اور جو اس حق پر عمل کر رہے ہیں ان کو بھی روکے کہ تم بھی غلط کام کر رہے ہو۔ گویا تکذیب کرنے والے انسان کا مرض متعدی ہو گیا۔

دورِ فتن اور دجّالیت کے پس منظر میں
مطالعۂ سورۃ الکہف

3

محمد نعمان اصغر
فیصل آباد

وَاتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾

''اے نبی ﷺ تمہارے رب کی کتاب میں سے جو کچھ تم پر وحی کیا گیا ہے اسے (جوں کا توں) سنا دو۔ کوئی اس کے فرمودات کو بدلنے کا مجاز نہیں ہے۔ (اور اگر تم کسی کی خاطر اس میں ردو بدل کرو گے تو) اس سے بچ کر بھاگنے کے لیے تم کوئی جائے پناہ نہیں پاؤ گے''۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ عمومی حکم ہے کہ آپ قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہیں اور اس کی تعلیم لوگوں کو دیتے رہیں۔ نہ مخالفین کے مطالبات کی پرواہ کریں اور نہ ان کے سوالات سے پریشان ہوں اور نہ ان کی ضد اور ہٹ دھرمی پر غم کریں۔

اصحابِ کہف کے قصے کے اختتام پر اس حکم سے خصوصی مراد ہے کہ اصحابِ کہف کے بارے میں لوگ جو مرضی کہتے رہیں اس حوالے سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جتنا کچھ بیان کر دیا ہے آپ وہی لوگوں کو سنائیں اور ان کی باتوں کی طرف دھیان نہ دیں، اپنی ذمہ داری کو ادا کرتے رہیں اور ان کی مخالفت کی ذرا برابر بھی پرواہ نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور گمراہی

کے لیے جو قانون بنایا ہے وہ اٹل ہے۔ ہدایت وہی پائیں گے جن کو ہدایت کی توفیق حاصل ہوگی اور توفیق انہی کو ملے گی جو اس نعمت کے لیے اپنی صلاحیتوں کا ثبوت دیں گے۔ کفار کی ضد تھی کہ کچھ ہماری باتیں بھی مان لی جائیں، یہ کہاں انصاف کی بات ہے کہ ہم ساری باتیں آپ ہی کی مانتے رہیں، آخر کچھ تو ہمارے آبائی دین کے عقائد اور رسم ورواج کی رعایت ملحوظ رکھیں، ایسا کرنے سے ہماری برادری پھوٹ سے بچ سکتی ہے۔ گویا وہ چاہتے تھے کہ توحید کے ساتھ ان کی شرکیہ باتوں کی بھی گنجائش نکال لی جائے۔ کفار کی طرف سے اس طرح کی پیش کش کئی مرتبہ کی گئی۔ نبی اکرم ﷺ کو تاکید کی گئی ہے کہ ان کے مطالبات کی طرف توجہ دینے اور ان سے الجھنے کی بجائے اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں مشغول رہیں۔ جو کتاب اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے اسے لوگوں کو سناتے رہیں۔ یہ قرآن اپنا راستہ خود بنالے گا۔ آپ نتائج کی پروا نہ کریں۔ قرآن مجید کا فرمایا ہوا اٹل ہے۔ کوئی شخص قرآن مجید کے فیصلوں کو نہ بدل سکے گا۔ جو اس کو بدلنے کے درپے ہوگا اسے کہیں جائے پناہ نہ ملے گی۔ اس حکم کا روئے سخن کفار کی جانب بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے مطالبے کو دوٹوک انداز میں رد کر دیا گیا ہے کہ تمہارے مطالبہ پر نبی اکرم ﷺ قرآن مجید میں کوئی تبدیلی نہیں کریں گے۔ وہ اس کام کے مجاز ہی نہیں ہیں۔ لہٰذا یہ امید نہ رکھو کہ تمہیں راضی کرنے کے لیے اس میں کوئی ترمیم کی جائے گی۔ انبیاء علیہم السلام کا کام لوگوں کو اللہ کے دین کی دعوت دینا ہوتا ہے نہ کہ ان کی باتیں ماننا۔

☆ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی راہ میں اُٹھنے والے بندوں کو ضائع نہیں کرتا بلکہ ان کی ڈھارس بندھاتا ہے، ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، راہِ حق میں جو مشکلات پیش آتی ہیں ان کے مقابلے میں غیب سے مدد فرماتا ہے۔ چنانچہ اسی سلسلے میں نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں کو تمسک بالقرآن (قرآن مجید سے مضبوط تعلق) کی تاکید کی جارہی ہے۔

☆ قرآن مجید کی تلاوت اللہ تعالیٰ کا خصوصی حکم ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا مشن اللہ تعالیٰ کے دین کو تمام ادیان پر غالب کرنا تھا۔ اس راستے میں بے پناہ مشکلات کا سامنا تھا جس کے لیے عظیم صبر اور استقامت کی ضرورت تھی۔ یہ چیز اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذہنی وقلبی تعلق قائم کر کے ہی میسر ہوسکتی تھی جس کا سب سے مؤثر اور مضبوط ذریعہ قرآن مجید تھا۔ لہٰذا حق و باطل کی کشمکش میں جب

بھی کوئی مشکل مرحلہ پیش آیا تو اللہ تعالیٰ نے تمسک بالقرآن کی تاکید فرمائی۔غلبہ دین کی اس جدوجہد میں قرآن مجید کا انتہائی اہم اور کلیدی کردار ہے۔

☆ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بے شک اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے کچھ لوگوں کو بلندی عطا فرماتا ہے اور کچھ لوگوں کو پستی کا شکار کر دیتا ہے''۔(مشکوۃ المصابیح)۔مسلمانوں کی تاریخ اس حقیقت کی شاہد ہے کہ جب تک انہوں نے قرآن مجید کی پیروی کی تو عزت وسربلندی ان کے حصے میں آئی۔جب انہوں نے قرآن مجید سے منہ موڑ لیا تو ذلت وزوال کا شکار ہوگئے۔اس صورت حال سے نکلنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ قرآن مجید سے گہرا اور مضبوط تعلق قائم کیا جائے۔یہ تعلق قرآن مجید کے حقوق ادا کرنے سے ہی ممکن ہے۔ان حقوق میں قرآن مجید کی تلاوت وترتیل،سمجھ بوجھ،عمل وپیروی،دعوت وتبلیغ اور اقامت و نفاذ شامل ہیں۔قرآن مجید کے حقوق کے حوالے سے یہ امت مسلمہ کی ذمہ داریاں بنتی ہیں۔

☆ اگر قرآن مجید کے کلمات میں تغیر وتبدل،اس کے معانی ومفہوم میں تحریف،اس کے بیان کرنے میں گریز،اس کے قانون ونظام سے روگردانی کی جائے تو دنیا میں ذلت ورسوائی انسان کا مقدر بنتی ہے جس کی عملی تصویر اس وقت اُمت مسلمہ بنی ہوئی ہے۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾

''اور اپنے دل کو ان لوگوں کی معیت پر مطمئن کرو جو اپنے رب کی رضا کے طلب گار بن کر صبح وشام اسے پکارتے ہیں اور ان سے ہرگز نگاہ نہ پھیرو۔کیا تم دنیا کی زینت پسند کرتے ہو؟ کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی اختیار کر لی ہے اور جس کا طریق کار افراط وتفریط پر مبنی ہے''۔

(1) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق مشرکین مکہ کے چند سردار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو کچھ غریب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، وہ

کہنے لگے کہ آپ ان کو یہاں سے دور کریں تا کہ ہم آپ کے پاس بیٹھ کر آپ کی بات سن سکیں۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مطابق یہ آنے والے عینیہ بن بدر اور اقرع بن حابس تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاکید کی گئی ہے کہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ کے دیدار اور اس کی خوشنودی کے طلب گار ہیں اور نہایت اخلاص کے ساتھ عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔ ایسے مخلص مومنین کو اپنی صحبت سے مستفید فرماتے رہیں۔ آپ ان متکبر دنیا داروں کی طرف اس غرض سے نظر نہ اٹھائیں کہ ان سے اسلام کو کوئی قوت و رونق حاصل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے اور اسباب فراہم کر دے گا۔ کفار میں حقیقی ایمان کا رنگ قبول کرنے کی استعداد ہی نہیں پھر اس موہوم امید پر مخلص مومنین کو نظر انداز کیوں کیا جائے۔

(2) عام طور پر اثر و رسوخ رکھنے والے افراد دین کے لیے مفید ہوتے ہیں۔ جیسے حضرت عمر اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما کے اسلام قبول کرنے سے اسلام کی قوت اور شان و شوکت میں اضافہ ہوا، کمزور اور غریب صحابہ پر ظلم و ستم میں کمی آئی۔ ایک داعیٔ حق کے لیے یہ نازک معاملہ ہوتا ہے۔ معاشرے کے اونچے طبقات کا اپنا حلقہ اثر اور اہمیت ہوتی ہے۔ چنانچہ ان تک دعوت ترجیحی بنیادوں تک پہنچانی چاہیے لیکن اس انداز سے کہ ناداروں کی حوصلہ شکنی نہ ہو اور دیکھنے والوں کو غلط فہمی نہ ہو۔ اگر چہ کسی داعی کے ذہن میں یہ بات نہ ہو کہ وہ ان کے دنیاوی مرتبہ سے متاثر ہو کر ان کی طرف جھک رہا ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو اس بات کا ایک فیصد بھی چانس نہ تھا۔ اصل ہدایت امت کے لیے ہے کہ دعوتِ دین کے کام میں اس حوالے سے انتہائی حکمت اور احتیاط برتی جائے تا کہ کوئی دیکھنے والا اس حوالے سے غلط فہمی کا شکار ہو کر بدگمان نہ ہو جائے۔ یہ بات عام مشاہدے کی ہے کہ اس حوالے سے برتی گئی لاپرواہی نے ہمیشہ دین کو نقصان ہی پہنچایا ہے۔

(3) جو شخص اللہ تعالیٰ کو بھول کر اپنے نفس کا بندہ بن جائے تو اس کے ہر کام میں بے اعتدالی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود سے نا آشنا ہو جاتا ہے۔ ایسے آدمی کی اطاعت کرنا خود کو گمراہ کرنے کے مترادف ہے۔ ایسے لوگوں کے مطالبات جہالت و تکبر پر مبنی ہوتے ہیں اور ان کی خواہشات احمقانہ ہوتی ہیں۔ چنانچہ ان کی باتوں کی طرف بالکل دھیان نہ دیا جائے۔

☆ اسلامی نظریۂ حیات کے مطابق زندگی کا ساز و سامان یا عیش و عشرت کوئی اعلیٰ قدر نہیں

ہے اور نہ ہی یہ کوئی مطلوب شئے ہے۔ دنیا کی ٹیپ ٹاپ فانی اور سائے کی طرح ڈھلنے والی ہے۔ یہ آج ہے تو ممکن ہے کہ کل نہ ہو۔ یہ چیزیں اگر حلال سے مل رہی ہیں تو جائز ہیں مگر پھر بھی زندگی کا مقصد نہیں ہیں۔ یہ چیزیں اِترانے اور فخر کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ اسلام کی رونق سونے چاندی کے سکوں سے نہیں بلکہ مضبوط ایمان اور عمل صالح سے ہے۔ جو لوگ ان اوصاف کے حامل ہیں وہ اسلام کی شان و شوکت کا باعث ہیں۔ جو شخص اس حقیقت کو سمجھ جاتا ہے، زندگی کا اصل مقصد تب اس کے سامنے واضح ہوتا ہے پھر وہ اپنی قیمتی زندگی کو کسی قیمتی مقصد اور بڑے نصب العین کے لیے وقف کر سکتا ہے۔ جن لوگوں پر یہ حقیقت واضح نہیں ہوتی وہ دنیا کی فانی نعمتوں کے پیچھے ہلکان ہو کر زندگی کو ضائع کر بیٹھتے ہیں اور ان کا طرزِ عمل اور سوچ وہی ہو جاتی ہے جو کفار مکہ کی تھی۔ یہ دنیا پرستی ہی دجالیت ہے جس کے سحر میں انسان اس وقت مبتلا ہیں۔ حقیقی دولت تقوی اور تعلق مع اللہ ہے جسے نہ کوئی شکست دے سکتا ہے اور نہ اسے زوال ہے۔ ایسے لوگوں کا اُسوہ زندہ جاوید اور قابل تقلید ہے جیسے اصحابِ کہف کا لازوال اسوہ۔

☆ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے جڑ کر رہنا ایمان بڑھانے کا ذریعہ بھی ہے اور فتنوں کے اثرات سے بچنے کا بھی۔ ان فتنوں کا مقابلہ انفرادی حیثیت میں بہت مشکل ہے۔ لہٰذا دینی اجتماعیت کو اللہ تعالیٰ کا حکم جان کر اختیار کرنا چاہیے۔ مزید برآں ہم نظریہ، ہم مقصد اور ہم منزل رفقاء کی صحبت نہایت قیمتی متاع ہے جس کو غنیمت سمجھا جائے اور اس کی قدر کی جائے۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾

''صاف کہہ دو کہ یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے اب جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے ہم نے ظالموں کے لیے ایک آگ تیار کر رکھی ہے جس کی لپٹیں انہیں گھیرے میں لے چکی ہیں۔ وہاں اگر وہ پانی مانگیں گے تو ایسے پانی سے ان کی تواضع کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا اور ان کا منہ بھون ڈالے گا، بدترین پینے کی چیز اور بہت بری آرام گاہ''۔

(1) کفارِ مکہ کی جانب سے درمیانی راستہ نکالنے کی پیش کش پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ جس طرح اصحابِ کہف توحید پر قائم رہے، وہ مصالحت کے لیے آمادہ نہ ہوئے اور ایک غار میں پناہ لینا گوارا کرلیا۔ آپ بھی یہ قرآن کی بیشی کے بغیر ان تک پہنچا دیجیے، جو مان لیں ان کی قدر کریں اور جو نہ مانیں ان کی پرواہ نہ کریں۔ دوسری جانب کفار سے کہا جارہا ہے کہ دینِ حق کو قبول کرنا ہے تو کرو اور نہیں کرنا تو نہ کرو۔ اگر تم حق کو قبول نہیں کرتے تو اپنا ہی نقصان کرو گے۔ تمہارے ساتھ کوئی سودے بازی ممکن نہیں۔

(2) جہنم کی آگ کو اللہ تعالیٰ نے تیار کیا ہے جس سے وہ ہرگز بھاگ نہ سکیں گے اور نہ اس سے نجات مل سکے گی۔ ''سُرادق'' سے مراد جہنم کی چار دیواری ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آگ کی قنات چار دیواری ہے جس کی ہر دیوار اتنی موٹی ہے کہ چالیس برس میں طے ہوتی ہے۔ اس کے سرادق (چار دیواری، لپٹیں، قناتیں) دھوئیں اور آگ کے ہوں گے۔ ''المُھل'' سے مراد تیل کی تلچھٹ، پگھلی ہوئی دھات یا لاوا یعنی پگھلے ہوئے زمینی مادے ہیں۔

☆ دینِ حق کسی کے آگے نہیں جھکتا اور نہ کسی کے سامنے ٹیڑھی راہ اختیار کرتا ہے۔ اگر کسی کو سچائی پسند نہ ہو تو وہ اپنی راہ اختیار کرلے۔ اگر کسی کی کھوپڑی اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنے کے لیے تیار نہیں ہے، جو اپنے غرور کے محلات سے نیچے نہیں اُترتا تو اسلامی نظریۂ حیات کو بھی اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسے لوگوں سے کسی قسم کی مصالحت ممکن نہیں ہے۔ شفقت وعنایت کے مستحق اہلِ ایمان ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی خدمت وسربلندی کے لیے چن لیا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّیَلْبَسُوْنَ ثِیَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕیْنَ فِیْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ نِعْمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾

''رہے وہ لوگ جو مان لیں اور نیک عمل کریں تو یقیناً ہم نیکوکار لوگوں کا اجر ضائع نہیں کیا کرتے۔ ان کے لیے سدا بہار جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، وہاں وہ سونے کے کنگنوں سے آراستہ کیے جائیں گے، باریک ریشم اور اطلس و

دیبا کے سبز کپڑے پہنیں گے اور اونچی مسندوں پر تکیے لگا کر بیٹھیں گے۔ بہترین اجر اور اعلیٰ درجے کی جائے قیام''۔

یہ ایمان اور عمل صالح کا انعام ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ نیکی بھی ضائع نہیں ہوگی بلکہ اس کا پورا بدلہ ملے گا۔ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے نور ظلمت سے اور رات دن سے۔ اسی طرح مؤمنوں کا اجر بھی کافروں کے عذاب سے پہچانا جاتا ہے۔ کفار کا انجام گذشتہ آیات میں بیان ہو چکا ہے۔ دونوں کے انجام میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جنتیوں کو ریشمی کپڑے پہنائے جائیں گے۔ حدیث کے مطابق جنت میں ریشمی لباس اسے پہنایا جائے گا جو دنیا میں نہ پہنے گا۔ جس نے یہاں پہنا وہ آخرت میں محروم رہے گا۔ قدیم زمانے میں رواج تھا کہ بادشاہ، رؤسا اور قبائل کے سردار سونے کے کنگن پہنتے تھے جس سے ان کی امتیازی حیثیت ظاہر ہوتی تھی۔ اہل جنت کو بھی سونے کے کڑے پہنائے جائیں گے تاکہ واضح ہو کہ اصلی و دائمی دولت مند کون ہے؟ ان کی حقیقی شان آخرت میں ظاہر ہوگی۔ قرآن مجید اہل عرب کے ذوق کو ملحوظ خاطر رکھتا ہے اور اسی چیز کو بیان کرتا ہے جس کا انہیں عام طور پر مشاہدہ تھا، اس لیے اس تشبیہ و تمثیل میں انہی چیزوں کا بیان ہے۔

☆ جس طرح حق کے پرستاروں اور باطل کے پجاریوں کی دنیاوی زندگی کا نقشہ ایک جیسا نہیں ہے اسی طرح ان کا اُخروی انجام بھی مختلف ہوگا۔ دجالیت نے اس سوچ کو بدل دیا ہے۔ یہاں غربت قابل نفرت ہے حالانکہ ایمان کے ساتھ یہ قابل رشک ہے۔ خوشحالی کو خوش قسمتی سمجھا جاتا ہے حالانکہ فسق و فجور کے ساتھ یہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا ذریعہ ہے۔ یہ حقیقت جتنی واضح ہوگی، دجالیت کا پردہ اسی قدر چاک ہوگا اور فتنوں سے بچنا بھی اتنا ہی ممکن ہوگا۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿۳۲﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾

''(اے محمد ﷺ) ان کے سامنے ایک مثال پیش کرو۔ دو شخص تھے ان میں سے ایک کو ہم نے انگور کے دو باغ دیے اور ان کے گرد کھجور کے درختوں کی باڑ لگائی اور ان

کے درمیان کاشت کی زمین رکھی۔ دونوں باغ خوب پھلے پھولے اور بارآور ہونے میں انہوں نے ذرا سی کسر بھی نہ چھوڑی۔ ان باغوں کے اندر ہم نے ایک نہر جاری کر دی''۔

(1) قریش مکہ کو مسلمان فقراء کے مقابلے میں اپنے اموال و انصار پر فخر تھا اور وہ اس بنا پر مسلمانوں کو حقیر اور خود کو معزز سمجھتے تھے اور ان کے ساتھ ایک مجلس میں بیٹھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ قصہ بیان کر کے سمجھایا ہے کہ یہ چیزیں فخر و غرور کے لائق نہیں ہیں کیوں کہ ایک لمحہ میں فقیر غنی اور غنی فقیر ہو سکتا ہے۔ دوسرا یہ کہ ان نعمتوں کے ذریعے سے آزمائش ہو رہی ہے۔

(2) ایک رائے ہے کہ یہ دونوں بھائی تھے۔ اس کی تفصیل کے بارے میں کوئی مستند روایت نہیں ہے البتہ بعض مفسرین کے نزدیک یہ بنی اسرائیل میں سے تھے۔ انہیں اپنے باپ سے بڑی دولت ورثے میں ملی۔ ایک نے باپ کے ترکے سے باغ خرید لیا تھا اور دوسرے نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیا۔ دوسری رائے میں یہ دونوں افراد دوست تھے۔ تیسری رائے میں یہ سمجھانے کے لیے ایک تمثیل ہے جس کے ذریعے سے ایک بندۂ مومن اور کافر کی ذہنیت بیان کی گئی ہے۔ دونوں دنیا کو کس نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ کفار اپنی دنیا کی کامیابی کو اپنے فکر و عمل کی صداقت کی دلیل سمجھتے ہیں۔ جب مسلمان انہیں آخرت سے ڈراتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارا دنیاوی حال تم سے اچھا ہے تو لازماً ہمارا عقیدہ اور طریقہ بھی تم سے اچھا ہے۔ پھر وہ اسی سے ایک باطل نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ اوّل تو آخرت و قیامت جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو وہ محض ایک خیالی تصور ہے، بالفرض اگر آخرت ہوئی بھی تو ہم وہاں تم سے زیادہ اچھے رہیں گے۔ اس واقعہ میں قریش کو آئینہ دکھایا گیا ہے تاکہ وہ اس میں اپنا ظاہر و باطن دیکھ کر اپنے عقیدہ و عمل کی اصلاح کر لیں۔ مزید برآں وہ حق و باطل کی اس کشمکش کا انجام بھی دیکھ لیں جو مسلمانوں اور کفار کے مابین برپا تھی۔

(3) عرب جہاں زمین بنجر اور ناقابل کاشت ہے، پانی قلیل اور نایاب ہے، جہاں اگر کھجور کے چند سرسبز درختوں کا جھنڈ نظر آ جائے تو خوشی کی حد نہیں رہتی، وہاں ایک شخص کے پاس باغ ہیں جن میں خوش ذائقہ انگوروں کی بیلیں اپنی بہار دکھا رہی تھیں، انگوروں کے باغات کے اردگرد کھجوروں کے درخت تھے۔ یہ درخت چاردیواری کا کام کرتے تھے اور باغ کو آندھی اور گرم ہوا

کے جھونکوں سے بچاتے تھے جو صحرا میں اکثر چلتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ اپنے عمدہ اور خوش ذائقہ پھل کے باعث منفعت بخش بھی تھے۔ مزید برآں درمیان میں جو جگہ بچ گئی تھی وہ بھی بیکار نہیں تھی بلکہ وہاں بھی کھیتی باڑی کی جاتی تھی۔ ان باغوں کے درمیان نہر بھی جاری تھی جس کی نالیاں باغ کے ہر گوشے میں دوڑ رہی تھیں۔ اس سے زمین کی سیرابی کے ساتھ ساتھ منظر بھی فرحت بخش تھا۔ وہ نہر باغات کی شادابی، طراوت اور زرخیزی کی ضامن تھی۔ دونوں باغات وقت پر بھرپور پھل دیتے تھے۔

(4) یہاں کمی اور نقص کے لیے ''**ظلم**'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ باغ کے مالک کے لیے بھی آیت نمبر 35 میں ''ظلم'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس سے دونوں باغات اور ان کے مالک کے کردار کے درمیان تقابل کیا جا سکتا ہے۔ یعنی باغات نے تو اپنا حق ادا کر دیا اور محنت کا بھرپور پھل دیا لیکن باغ کے مالک نے تکبر کیا اور سرکشی کی راہ اختیار کی۔ اس نے کبر و غرور کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہ کیا اور ظلم کی روش اختیار کی۔

☆ سائنس اور ٹیکنالوجی کی بے پناہ ترقی سے زراعت کی دنیا میں انقلاب برپا ہو چکا ہے۔ تحقیق و تجربات کے باعث پیداوار کئی گنا بڑھ چکی ہے۔ صحرا بھی گل و گلزار میں بدل چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں آسمان کو انسان کے لیے مسخر کر دیا ہے وہیں زمین کے خزانوں کے منہ بھی اس کے لے کھول دیے ہیں۔ لیکن انسان کی محرومی یہ ہے کہ اس کی فکر و طرز عمل وہی ہے۔ نعمتوں کی فراوانی کے باعث اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنا چاہیے تھا لیکن اس نے روگردانی کی روش اپنائے رکھی ہے۔ دنیاوی مال و اسباب کی طلب اور زیادتی نے اسے مدہوش کر دیا ہے۔ وہ مادیت پرستی کا شکار ہو کر اپنے خالق و مالک سے بھی منہ موڑ بیٹھا ہے اور اپنے مقصد زندگی کو بھی فراموش کر چکا ہے۔ آج حقوق اللہ کو سب سے زیادہ حقیر سمجھا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کی سب سے زیادہ حق تلفی ہو رہی ہے۔ گویا کہ بے وفائی اور نمک حرامی میں آج کا انسان پہلوں پر بازی لے گیا ہے۔

وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ﴿۳۵﴾

''اور اسے خوب نفع حاصل ہوا۔ یہ کچھ پا کر ایک دن وہ اپنے ہمسائے سے بات کرتے ہوئے بولا میں تجھ سے زیادہ مال اور طاقتور نفری رکھتا ہوں۔ پھر وہ اپنی جنت میں داخل ہوا اور اپنے نفس کے حق میں ظالم بن کر کہنے لگا: میں نہیں سمجھتا کہ یہ دولت کبھی فنا ہو جائے گی''۔

(1) ''**ثمر**'' سے مراد نفع اور پھل ہیں یعنی اس نے جو خرچ کیا اور محنت کی اس کا اسے خوب پھل ملا اور سامانِ عیش وعشرت جمع ہو گئے۔ ثمر کا مفہوم اولاد بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی کثرت سے اولاد بھی تھی۔ اس کا یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ جس وقت کا یہ واقعہ بیان کیا جا رہا ہے اس وقت باغ میں خوب پھل لگا ہوا تھا اور انگور کی بیلیں اور کھجور کے درخت پھلوں سے لدے ہوئے تھے۔

(2) اس نے اپنے بھائی کے مقابلے میں فخر وغرور کیا اور کہنے لگا کہ میں تم سے زیادہ مالدار ہوں اور میرے نوکر چاکر بھی زیادہ ہیں۔ میں اگر باطل پر ہوتا تو اس قدر آسائش اور فراخی کیوں ہوتی۔ اگر تم حق پر ہوتے تو مفلس اور قلاش نہ ہوتے۔ وہ اپنے فقیر بھائی کو لے کر باغات میں داخل ہوا۔ باغات کو دیکھ کر اس کا پیمانہ بھر گیا اور کبر وغرور کا نشہ اس کے دماغ میں چھا گیا۔ وہ کہنے لگا کہ میرا باغ ہر لحاظ سے مثالی ہے۔ میں نے مادی لحاظ سے منصوبہ بندی کر کے باغات کو ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رکھا ہے۔ انگوروں کی بیلوں کے گرد درخت سنتریوں کی طرح کھڑے ہیں اور تیز ہواؤں اور گرم لو کے جھونکوں سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ آبپاشی کے لیے نہر کا وافر پانی بھی موجود ہے۔ میری زندگی میں بظاہر ان باغوں کی تباہی کا کوئی امکان نہیں ہے۔

☆ خدا فراموش افراد اور اقوام کی آج بھی یہی سوچ ہے۔ وہ قیامت کو مذہب پرست لوگوں کا خبطِ عقلی قرار دیتے ہیں۔ اکثر مال دار مسلمانوں کا بھی یہی اندازِ فکر ہے۔ وہ غرباء و مساکین بلکہ علماء وصلحاء کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اہلِ علم کا مذاق اُڑاتے ہیں۔

☆ جو لوگ فانی نعمتوں سے اس دنیا کو جنت بنانے کی فکر میں ہوتے ہیں وہ حقیقی جنت کی اتنی فکر نہیں کرتے۔ آج کا انسان مادیت پرستی کا شکار ہے۔ وہ خوبصورت گھر، عمدہ لوکیشن اور مادی سہولیات کے پیچھے بھاگ کر ہلکان ہو رہا ہے اور ذاتِ باری تعالیٰ، اپنا مقصدِ زندگی اور آخرت کو بھلا بیٹھا ہے۔

وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّىْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾

''اور مجھے توقع نہیں کہ قیامت کی گھڑی کبھی آئے گی۔ تاہم اگر کبھی مجھے اپنے ربّ کے حضور پلٹایا بھی گیا تو ضرور اس سے بھی زیادہ شاندار جگہ پاؤں گا''۔

اس شخص کو چاہیے تھا کہ ربّ کا شکر گزار ہوتا لیکن جب اس کے دوست نے اسے نصیحت کی اور ناشکری کے انجام سے ڈرایا تو اس نے بحث شروع کر دی کہ بتاؤ تمہارا حال اچھا ہے یا میرا؟ اس نے اپنے مال و دولت کو اپنی عزت کا سبب قرار دیا اور قارون کی طرح خیال کیا اور یہ نہ سمجھا کہ عزت و ذِلت کا اصل مالک تو اللہ تعالیٰ ہے۔ اس نے کہا کہ دنیاوی مال و اسباب کے چھن جانے کا تو مجھے کوئی ڈر نہیں ہے اور رہا بعث بعد الموت کا قصہ تو مجھے اس کا یقین نہیں ہے لیکن اگر ایسا ہوا تو مجھے یہاں سے بہتر ملے گا، مجھے اللہ تعالیٰ نے دنیا کی نعمتوں سے سرفراز کیا ہوا ہے لہٰذا میں اس کی نگاہ میں پسندیدہ ہوں۔ وہ شخص صرف عجب و غرور میں مبتلا نہ تھا بلکہ دنیا کی نعمتوں کی مدہوشی اور مستقبل کی حسین امیدوں نے اسے اللہ تعالیٰ کی گرفت اور مکافاتِ عمل سے غافل کر دیا تھا۔ اس نے پہلے قیامت کا انکار کیا اس لیے کہ یہ کیفیت آہستہ آہستہ ایمان بالآخرت کو گھن کی طرح کھانا شروع کر دیتی ہے اور آخر کار اس کے انکار تک پہنچا دیتی ہے۔ پھر اس نے ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر قیامت برپا ہوگئی تو وہاں بھی میرا اچھا انجام ہوگا۔ جن لوگوں کا کفر و طغیان حد سے تجاوز کر جاتا ہے انہیں اپنے اندر کوئی کجی نظر نہیں آتی جو قابل اصلاح ہو۔

☆ اصحابِ جاہ و جلال اور اہل دولت کے دلوں میں یہی خیال ہوتا ہے کہ اس فانی دنیا میں ان کی اتنی قدر و منزلت ہے تو وہ آخرت میں بھی عزت و کامیابی سے سرفراز ہوں گے۔ جن لوگوں کو دنیا کی عیش مدہوش کر دیتی ہے وہ ان فانی نعمتوں کو اپنی خوش قسمتی سمجھتے ہیں۔ وہ دین دار طبقے کو احمق و نادان سمجھتے ہیں جو صبح و شام آخرت کی فکر میں گھلتے رہتے ہیں۔ ان کی نفس پرستی آخرت کی طرف ان کا دھیان آنے ہی نہیں دیتی۔ ان کی گمراہی پر اس وقت مہر لگ جاتی ہے جب شیطان ان کو اس بات کا یقین دلا دیتا ہے کہ تم پر دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے اور آخرت میں بھی تم لازماً کامیاب ہوگے، دنیا و آخرت میں تمہارے ماتھے کا ستارہ چمکتا رہے گا۔ یہ ان کی اپنی بدقسمتی ہوتی ہے کہ کفر اور سرکشی کی وجہ سے برے انجام کی طرف ان کا دھیان ہی نہیں آتا۔

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿۳۷﴾ لٰكِنَّا هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۳۸﴾

''اس کے ہمسائے نے گفتگو کرتے ہوئے اس سے کہا کیا تو کفر کرتا ہے اس ذات سے جس نے تجھے مٹی سے اور پھر نطفے سے پیدا کیا اور تجھے ایک پورا آدمی بنا کھڑا کیا۔ رہا میں، تو میرا ربّ تو وہی اللہ ہے اور میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا''۔

(1) وہ شخص اللہ تعالیٰ کے وجود کا منکر نہ تھا لیکن اس کے بھائی نے اسے کافر کہا کیوں کہ اسے بعث بعد الموت (دوبارہ زندہ ہونے) کا یقین نہ تھا اور وہ قیامت کے بارے میں شک کرتا تھا۔ بعث بعد الموت کا انکار دراصل اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار ہے جو کفر ہے۔ اس نے تکبر و غرور کا مظاہرہ کیا کہ میری دولت اور شان و شوکت کسی کی عطا کردہ نہیں ہے بلکہ یہ میری قابلیت و قوت اور محنت کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ مجھ سے کوئی اس کو چھیننے والا نہیں ہے مجھے کسی کے سامنے حساب نہیں دینا۔ وہ اللہ تعالیٰ کو ایک ہستی کے طور پر تو مانتا تھا لیکن ایک آقا اور فرماں روا کی حیثیت سے نہیں۔

(2) ہر انسان کی خوراک مٹی سے پیدا ہوتی ہے۔ ناشکرے انسان کو اس کی اصل یاد دلائی گئی ہے کہ اپنی حقیقت پر غور کرو اور اپنے ربّ کے احسانات یاد کرو۔ اس نے تمہیں بے جان مٹی سے، پھر زمین کی پیداوار کے جوہر سے اور پھر ایک ناچیز قطرے سے پیدا کیا پھر اس نے زندگی بخشی اور جسمانی و روحانی صلاحیتیں دیکر ایک صحت مند، خوبرو، باوقار اور باصلاحیت انسان بنا دیا۔

(3) اس سے معلوم ہوا کہ باغ کا مالک مشرک بھی تھا۔ بہت سے مشرک ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو مانتے تو ہیں لیکن اس کے ساتھ شرک بھی کرتے ہیں۔ اس بندۂ مومن نے کہا کہ تم نے تو اپنے خالق کو بھلا دیا ہے لیکن میں اسے بھلانے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ میں تو صاف اعتراف کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہی میرا پروردگار ہے اور میں کبھی کسی کو اس کا شریک بنانے کی غلطی نہیں کروں گا۔

☆ ایک بندۂ مومن کو کسی کی دولت اور دنیاوی مرتبے سے متأثر نہیں ہونا چاہیے۔ اسے حق کے معاملے میں کوئی نرمی نہیں برتنی چاہیے۔ کفر اور باطل سے مصالحت کرنا ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔ ایمان کی یہی کمزوری انسان کو حق بیانی سے روک دیتی ہے۔ انسان دنیا پرستی سے

جس قدر نکلے گا، اسی قدر اسے ایمان کی یہ کیفیت اور جرأت و بہادری حاصل ہوگی۔

وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۳۹﴾ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾

''اور جب تو اپنی جنت میں داخل ہو رہا تھا تو اس وقت تیری زبان سے یہ کیوں نہ نکلا کہ ماشاء اللہ لاقوۃ اِلا باللہ۔ اگر تو مجھے مال اور اولاد میں اپنے سے کمتر پا رہا ہے تو بعید نہیں کہ میرا ربّ مجھے تیری جنت سے بہتر عطا فرما دے اور تیری جنت پر آسمان سے کوئی آفت بھیج دے جس سے وہ صاف میدان بن کر رہ جائے یا اس کا پانی زمین میں اُتر جائے اور پھر تو اسے کسی طرح نہ نکال سکے''۔

اس کے دوست نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا کہ تجھے باغ میں خوش کن مناظر دیکھنے کو ملے اور پورا باغ پھلوں سے لدا ہوا نظر آیا، باغ کی خوبصورتی و دل کشی تمہاری نگاہوں میں کھب گئی تو تمہاری زبان پر ''**ماشاء اللّٰہ لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ**'' کے الفاظ آنے چاہیے تھے کہ ''جو اللہ نے چاہا وہی ہوا، کوئی قوت اور طاقت نہیں ہے اللہ کے سوا'' یعنی یہ میرا کمال نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ اس کی اجازت و مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ کسی کے پاس کوئی قوت و اختیار نہیں ہے۔ کسی نعمت کے حاصل ہونے یا کسی چیز کے اچھا لگنے پر یہ کلمات کہنے کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ گھر، مال، اولاد اور کسی بھی نعمت کو دیکھ کر یہ کلمہ پڑھ لیا جائے تو موت کے علاوہ ہر آفت سے حفاظت ہوگی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں عرش کے نیچے جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ بتاؤں؟ میں نے کہا کہ ہاں۔ آپ پر میرے ماں باپ قربان۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کہو: **لا قوۃ الا باللّٰہ** (مسند احمد)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں پورے کلمات کا تذکرہ ہے (صحیح بخاری)۔ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ہر پریشانی میں اس کلمہ کو پڑھنے کی تاکید فرمائی ہے ''**اَللّٰہ اللّٰہ رَبِّیْ لَا اُشْرِكُ بِہٖ شَیْئًا**'' یعنی ''اللہ اللہ ہی میرا رب ہے

اور میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا''۔(ابوداؤد)۔حقیقی مسبّب الاسباب اللہ تعالیٰ ہے۔ اس نے مختلف اسباب مہیا کر رکھے ہیں جن سے دنیا کا کاروبار چل رہا ہے۔ وہ جب چاہے کسی سبب کو ختم کر دے تو سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔ گویا اس دنیا کا معاملہ ایک شیش محل کا ہے جسے ایک پتھر چکنا چور کر سکتا ہے۔

اس نے اپنے ساتھی کو سمجھاتے ہوئے مزید کہا کہ تم جس باغ پر اترا رہے ہو اور مجھے حقارت کی نگاہ سے دیکھ رہے ہو یہ اوّل تو امتحان ہے جس پر فخر نہیں کرنا چاہیے۔ ان نعمتوں کا ملنا شکر کا امتحان ہے اور نہ ملنا صبر کا امتحان۔ دوم، یہ عارضی ہے۔ آج ہے تو ہو سکتا ہے کہ کل نہ ہو۔ یہ شاداب باغات اور لہلہاتی ہوئی فصلیں جن کی وجہ سے تم تکبر کر رہے ہو، فانی ہیں۔ کوئی گرم بگولا اُٹھے یا آسمان سے کوئی اور آفت نازل ہو جائے اور تیرے تکبر کی سزا میں باغ کو تہس نہس کر کے صاف اور چٹیل میدان بنا دے۔ ''**حُسبـــان**'' سے مراد بجلی کی کڑک ہے جو ہر شے کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ ''**صعیدًا زلقًا**'' سے مراد ایسی سخت و چٹیل زمین ہے جس پر قدم نہ جم سکیں اور پھسل جائیں۔ گویا یہ زرخیز زمین جس کا چپہ چپہ آج سونا اُگل رہا ہے ایسی بنجر اور اُجاڑ ہو جائے کہ اس پر چلنا مشکل ہو جائے۔ یا نہر کا پانی خشک کر دے یا گہرا کر دے جسے تم کوشش کے باوجود جاری نہ کر سکو گے۔ جب پانی خشک ہو گیا تو تمہاری نگاہوں کے سامنے سب کچھ اُجڑ جائے گا اور تم کچھ نہ کر سکو گے۔ ایسی فانی اور ناپائیدار چیز پر مغرور ہو کر اپنے رب کریم سے روگردانی کرنا عقلمندی نہیں ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی بے نیازی سے ڈرتے رہو اور اس کے غضب سے پناہ مانگتے رہو۔ سوم، اللہ تم سے یہ سب کچھ واپس لے سکتا ہے اور مجھے ان سے بہتر دے سکتا ہے۔ چاہے دنیا میں دے یا آخرت میں۔ اپنے فقر و فاقہ کے باوجود میں اپنے ربّ کریم کی جود و سخا سے مایوس نہیں ہوں۔

☆ دنیا کی عیش و مستی میں کھو جانے والے اسے لافانی سمجھتے ہیں، وہ کسی کے سمجھانے سے خوابِ غفلت سے بیدار نہیں ہوتے۔ قدرتِ الٰہی کی ایک ہی جنبش ان کے خوابوں کے قلعے کو مسمار کر دیتی ہے پھر انہیں محسوس ہوتا ہے کہ جس چیز کو اتنی بعید سمجھتے تھے وہ ان کے پاؤں تلے ہی برآمد ہو گئی۔

☆ اللہ تعالیٰ کو ربّ مان کر اس کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کرنے سے توحید مکمل ہوتی ہے۔

حدیث مبارکہ میں مذکور کلمات میں توحید باری تعالیٰ کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ان کلمات کے پختہ یقین سے مادیت پرستی کا اندھیرا چھٹتا ہے اور توکل کی دولت حاصل ہوتی ہے۔آج کے انسان کو وہ نعمتیں حاصل ہیں جن کے بارے میں ماضی کے بادشاہ سوچ بھی نہ سکتے تھے۔لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات کا یقین اور توکل اسی قدر کم ہو گیا ہے۔لہٰذا اسی توکل کو پختہ کرنے کی ضرورت ہے جس کا آسان حل یہ ہے کہ ان کلمات کو اٹھتے بیٹھتے فہم وشعور اور باقاعدگی کے ساتھ ادا کیا جائے۔

وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۴۲﴾

”آخر کار ہوا یہ کہ اس کا سارا ثمر مارا گیا اور وہ اپنے انگوروں کے باغ کو ٹٹیوں (چھتریوں) پر اُلٹا پڑا دیکھ کر اپنی لگائی ہوئی لاگت پر ہاتھ ملتا رہ گیا اور کہنے لگا کہ کاش میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہوتا“۔

اس شخص کی زبان سے جو بات نکلی اس کے باغ کا وہی حال ہوا۔رات کو شاید آگ لگی اور سب جل کر راکھ ہو گیا۔یا کوئی اور آفت ارضی وسماوی آئی جس نے سارے باغ کو آناً فاناً تباہ کر دیا۔جن چھتروں پر بیلیں تھیں وہ زمین پر گر گئے۔انگوروں کی فصل تباہ ہو گئی۔اس نے مال خرچ کیا تھا اپنی دولت میں اضافے کے لیے لیکن اصل بھی کھو بیٹھا۔باغ کی تعمیر واصلاح اور کاشت کاری پر جو خرچ کیا اس پر افسوس سے ہاتھ ملنے لگا۔لگتا ہے کہ دوسرا شخص اللہ تعالیٰ کا خاص مقرب بندہ تھا۔مالدار کے طعنے سے اس کا دل دکھا ہوگا۔حدیث قدسی کے الفاظ ہیں:”مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ لِلْحَرْبِ“ یعنی”جس نے میرے کسی ولی (دوست) سے دشمنی رکھی اس کے خلاف میرا اعلانِ جنگ ہے“۔اسے فوری سزا ملی اور اس کا سب کچھ چھن گیا۔اس نقصان کے بعد اس مغرور کی آنکھیں کھل گئیں کہ پلک جھپکتے ہی سب کچھ غارت ہو گیا۔اس کی زبان پر ندامت کے الفاظ آ گئے کہ وہ اپنے بھائی کی بات مان لیتا اور غرور وتکبر سے اپنے نفس کی پیروی نہ کرتا۔اپنی دولت اور شان وشوکت کو اللہ تعالیٰ کی عطا سمجھتا اور اس میں جو دوسروں کے حقوق ہیں اسے ادا کرتا۔اس نے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اختیار کو بھلا دیا اور مادی اسباب پر توکل کیا۔یہی وہ شرک ہے جس کا اس نے اعتراف کیا۔اب اسے احساس ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی

نعمتوں سے فیض یاب ہوکر اس کے احکام سے انکار کرنا انسان کو زیب نہیں دیتا لیکن ''اب پچھتائے کیا ہوت، جب چڑیاں چگ گئیں کھیت''۔

☆ دنیاوی نعمتوں اور اسباب کا یقین شرک فی التوکل ہے۔ ان نعمتوں کو دائمی سمجھنا بھی شرک ہے۔ یہ تصور فانی اقدار کو لافانی اقدر پر ترجیح دینے کے مترادف ہے۔ کسی شئے میں ذاتی نفع ہے نہ نقصان۔ اس لیے کوئی شئے بھروسے کے قابل نہیں ہے۔ نفع ونقصان صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ لہٰذا توکل اور بھروسے کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿۴۳﴾ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿۴۴﴾

''نہ ہوا اللہ کو چھوڑ کر اس کے پاس کوئی جتھا کہ اس کی مدد کرتا اور نہ کر سکا وہ آپ ہی اس آفت کا مقابلہ۔ اس وقت معلوم ہوا کہ کارسازی کا اختیار خدائے برحق ہی کے لیے ہے۔ انعام وہی بہتر ہے جو وہ بخشے اور انجام وہی بخیر ہے جو وہ دکھائے''۔

(1) اللہ تعالیٰ کی قوت وطاقت اور اس کی مرضی کے مقابلے میں اس کا جتھا کام آیا نہ مال نہ اولاد اور نہ فرضی معبود جنہیں وہ خدائی میں شریک سمجھتا تھا اور جن پر اسے ناز تھا۔ نہ خود اس کی اپنی ذات میں اتنی طاقت تھی کہ عذاب کو روک سکتا یا خود اللہ تعالیٰ سے انتقام لینے کے لیے اُٹھ کھڑا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہی بچانے والا تھا مگر وہ اسے ناراض کر چکا تھا۔

اس سورہ مبارکہ کی یہ دوسری مثال ختم ہوئی۔ اس سے مقصود کفارِ مکہ کو سمجھانا ہے کہ غریبوں کو حقیر نہ سمجھو۔ اصل چیز مال ودولت نہیں بلکہ ایمان، اخلاص اور تقویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے جاہ وجلال کے سامنے انسانی طاقت کی کوئی مجال نہیں۔

(2) ''ولایت'' کے معنی حکم اور اختیار کے ہیں۔ اس کے علاوہ اس سے مراد موالات اور نصرت کے بھی ہیں۔ ''هنالك'' سے مراد عذاب کا وقت یا جگہ ہے۔ جب عذاب کا وقت آتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مدد کرنے یا عذاب سے بچانے پر قادر نہیں ہے۔ سارا اختیار اسی کا چلتا ہے اور مرضی اسی کی پوری ہوتی ہے۔ وہ اپنے صالح بندوں کو بہترین اجر سے نوازے گا۔ یاد رہے کہ عذاب دُنیاوی ہو یا اُخروی اس سے اللہ تعالیٰ کی نیک بندوں کی دادرسی مقصود ہے۔

☆ آج کی مادہ پرستانہ سوچ کا مکمل نقشہ اس رکوع میں ہے۔ آج کے انسان نے دولت کو معبود کا درجہ دے دیا ہے جس کی طلب میں حرام وحلال کی تمیز بھی ختم ہوگئی ہے۔ وہ مادی وسائل اور اسباب کو مسبّب الاسباب، یعنی اللہ تعالیٰ کی جگہ پر لے آیا ہے۔ یہی اس دور کا سب سے بڑا شرک ہے جو عالمگیر فتنے کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ اس واقعے میں ایمان و مادیت کی کشمکش کا انجام بھی بیان کر دیا گیا ہے جو یاد رکھنے کے قابل ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کے جاہ وجلال کے سامنے انسانی قوت و طاقت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ دجال کا فتنہ انسانوں کے لیے ایک عظیم آزمائش ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ کے سامنے دجال اور اس کی قوتوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ دجال سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنا ہوگا۔ اسی کی ذات پر پختہ ایمان اور توکل رکھنا ہوگا۔ (جاری ہے)

قال الامام ابن القيّم رحمه الله

وَأَرْبَعَةٌ تَجْلِبُ الرِّزْقَ: قِيَامُ اللَّيْلِ وَكَثْرَةُ الِاسْتِغْفَارِ بِالْأَسْحَارِ وَتَعَاهُدُ الصَّدَقَةِ وَالذِّكْرُ أَوَّلَ النَّهَارِ وَآخِرَهُ

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب زاد المعاد میں فرماتے ہیں:

چار چیزیں رزق کو کھینچ لاتی ہے: (۱) قیام اللیل یعنی تہجد کی نماز، (۲) سحری کے وقت استغفار کی کثرت، (۳) صدقہ کی پابندی اور (۴) دن کے شروع اور آخر میں ذکر۔

دجّال اصفہان کو اپنا مرکز کیوں بنائے گا؟

ساجد محمود انصاری

اسٹینڈرڈ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ یہودی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ایرانی شہر اصفہان کی بنیاد انہوں نے رکھی تھی(1)۔ یہودیوں کا یہ دعویٰ کس حد تک درست ہے یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے تاہم ان کا یہ دعویٰ ظاہر کرتا ہے کہ یہودیوں کے نزدیک اصفہان کی کس قدر اہمیت ہے۔

انسائیکلوپیڈیا ایرانیکا نے مشہور جغرافیہ دان یاقوتِ حموی، مقدسی، ابن الفقیہ اور ابن حوقل کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب بخت نصر نے بابل اور فلسطین پر قبضہ کیا تو بہت سے یہود وہاں سے فرار ہو کر فارس میں پناہ گزین ہو گئے تھے، انہی یہودی پناہ گزینوں نے اصفہان شہر آباد کیا اور اس زمانے میں اسے یہودیہ کہا جاتا تھا۔(2)

ایرانی بادشاہ سائرس (کوروش) نے چھٹی صدی قبل مسیح میں یہودیوں کو بابل کی قید سے آزاد کرایا اور فلسطین (یروشلم) میں دوبارہ ہیکل سلیمانی تعمیر کیا جو بخت نصر نے تباہ کر دیا تھا۔ بائبل میں اس واقعہ کا مفصل بیان ہے اور اسی سبب یہودی سائرس کو اپنا محسن اعظم اور نجات دہندہ تصور کرتے ہیں۔

بائبل کے دو حصے ہیں: عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید۔ عہد نامہ قدیم جسے عبرانی بائبل بھی کہا جاتا ہے، دراصل یہودیوں کی 24 مقدس کتابوں کا مجموعہ ہے، جنہیں عبرانی میں مجلّات اور عربی میں اسفار کہا جاتا ہے۔ یہودی اس عبرانی بائبل کو تناخ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ تناخ

کا آخری مجلّہ استیر یا بک آف اشتہر کے نام سے جانا جاتا ہے، جو کہ سارے کا سارا ایک ایرانی یہودن استیر کی سرگزشت ہے جو یہودی روایات کے مطابق ایران کی ملکہ بنی تھی۔(3)

اسی مجلّہ استیر کی بنیاد پر یہودی اپنے عبرانی کیلنڈر کے مہینے آدر کی پندرہ تاریخ کو ایک مذہبی تہوار مناتے ہیں جسے پیورم یا فیسٹیول آف لاٹس کہا جاتا ہے۔اس تہوار میں یہودی کمیونٹی اپنی ملازمت یا کاروبار سے چھٹی کرتی ہے اور اپنی عبادت گاہ (کنیسہ) سائنا گاگ میں مجلّہ استیر میں سے مہاترانہ یعنی سونگ آف سونگز پڑھتے ہیں' اس دن کو یہودی بالکل عید کی طرح مناتے ہیں۔(4)

قرآن کی صراحت کے مطابق یہودیوں پر اللہ تعالیٰ نے ذِلت ومسکنت مسلط فرمادی ہے۔یہی سبب ہے کہ یہودی ایک مصیبت سے نکلتے ہیں تو دوسری میں پھنس جاتے ہیں۔رومی بادشاہ ٹائٹس نے 70 عیسوی میں یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی اور سائرس کے تعمیر کردہ ہیکل سلیمانی کو ایک بار پھر جلا کر راکھ کر دیا تھا۔یہودی ایک بار پھر منتشر ہوگئے تاہم اکثر یہودیوں نے ایک بار پھر اپنے دوسرے مرکز اصفہان کا رُخ کیا۔حقیقت یہ ہے کہ اصفہان کم ازکم 3000 سال سے یہودیوں کا ایک مستقل مرکز بنا ہوا ہے۔سیّدنا سلیمان علیہ السلام کے بعد یہودیوں کو یروشلم میں تقریباً دوصدیوں تک عروج حاصل رہا، اس کے بعد وہ زوال کا شکار ہونے لگے۔ تا آنکہ 720 قبل مسیح کے لگ بھگ بخت نصر نے یروشلم کو تباہ کر دیا اور یہودیوں کو بابل (عراق) میں قید کر دیا۔اسی زمانے میں یہودی یروشلم سے فرار ہوکر اصفہان میں آباد ہوئے۔اس دور کے بعد یہودیوں کو کبھی دائمی عروج حاصل نہیں ہوا۔اپنی شاطرانہ چالوں سے کبھی کبھار وہ یروشلم میں اقتدار پالیتے تھے، مگر 70 عیسوی میں ٹائٹس رومی کے ہاتھوں تباہی کے بعد وہ تقریباً 1800 سال تک دربدر رہے۔اس طویل عرصے کے دوران ساری روئے زمین پر یہودیوں کا واحد مرکز اصفہان رہا ہے۔رسول اکرم ﷺ کے مبارک زمانہ میں اگرچہ مدینہ بھی یہودیوں کا ایک مرکز تھا مگر اس وقت بھی ان کا سب سے بڑا مرکز اصفہان ہی تھا۔آج بھی ایران میں 70 سے زیادہ یہودی کنیسے یعنی سائنا گاگ ہیں۔(5)

سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ دجال اصفہان کے یہودیوں کی بستی سے برآمد ہوگا اور اس کے ساتھ 70000 یہودی ہوں گے جن کے

کندھوں پر مخصوص سبز ایرانی شالیں لٹک رہی ہوں گی۔(6)

اس حدیث مبارکہ میں اگرچہ دجال جیسے عظیم فتنے کی خبر دی گئی ہے تاہم اس میں ایک بشارت بھی پوشیدہ ہے۔اس بشارت کو سمجھنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ فلسطین پر یہودیوں کا قبضہ کب ہوا؟ دوسری جنگ عظیم کے بعد یہودی ساری دنیا سے ہجرت کر کے فلسطین میں آباد ہونے لگے اور 14 مئی 1948ء کو صیہونی یہودیوں نے فلسطین میں خودمختاری کا اعلان کر کے یروشلم پر باقاعدہ قبضہ کرلیا۔اس وقت ایران میں اصفہان سمیت یہودیوں کی آبادی تقریباً ایک لاکھ تھی لیکن یہودی تیزی سے فلسطین کی طرف ہجرت کرنے لگے جسے وہ ارضِ موعود یا اسرائیل کہتے ہیں۔2021ء میں ایران میں یہودیوں کی کل آبادی آٹھ ہزار کے لگ بھگ ہے جس میں رفتہ رفتہ مزید کمی واقع ہورہی ہے۔(7)

اب دوبارہ سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی مذکورہ بالا حدیث کی طرف آتے ہیں جس میں ایک اہم بشارت مخفی ہے۔اس وقت فلسطین (نام نہاد اسرائیل) یہودیوں کا سب سے بڑا مرکز ہے اور بظاہر اپنی حدود کو مزید وسیع کررہا ہے اور گریٹر اسرائیل کے منصوبے کی تکمیل کے لیے کوشاں ہے۔تاہم مذکورہ بالا حدیث سمیت متعدد احادیث صحیحہ میں اشارہ کیا گیا ہے کہ یہودیوں کا گریٹر اسرائیل بنانے کا خواب کبھی پورا نہیں ہوگا اِن شاء اللہ۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ ''اصفہان کے 70,000 یہودی دجال کی پیروی کریں گے'' سے واضح ہوتا ہے کہ یہودیوں کو دجال کی آمد سے قبل ایک بار پھر فلسطین سے اصفہان کی طرف ہجرت کرنا پڑے گی۔کیونکہ یہودیوں کی مذہبی روایت کے مطابق غیر یہود یہودی مذہب اختیار نہیں کرسکتا۔جبکہ یہودیوں کی آبادی میں افزائشِ نسل کے ذریعے اس قدر تیزی سے اضافہ ممکن نہیں کہ ایک دو صدیوں میں وہ 8000 سے 70000 کے عدد تک پہنچ جائے۔اب یہودی دوبارہ فلسطین سے ہجرت کرنے پر مجبور کیوں ہوں گے؟ بظاہر یہ اسی صورت ممکن ہے کہ فلسطین سے یہودیوں کا اقتدار ختم ہوجائے۔پس مذکورہ بالا حدیث میں بشارت موجود ہے کہ فلسطین سے یہودیوں کا اقتدار جلد ختم ہونے والا ہے۔رہا یہ سوال کہ موجودہ عالمی سیاسی صورت حال میں ایسا ہونا کیسے ممکن ہے؟ ہمارا ماننا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے منصوبے بڑے عجیب ہوتے ہیں، جو کام بظاہر ناممکن دکھائی دیتا ہے وہ اللہ کے حکم

سے ممکن ہو جاتا ہے اور انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ کیا ایسا بھی ممکن تھا؟

اب ہم ان احادیث صحیحہ کا تذکرہ کریں گے جن میں مذکورہ بالا بشارت کی طرف مزید اشارات کیے گئے ہیں۔

سیّدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی فتنوں کے دور کے بارے میں ایک طویل حدیث کے آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے کہ دجال حرمین شریفین اور بیت المقدس (یروشلم) میں داخل نہیں ہو سکے گا اور (فلسطینی) مسلمان بیت المقدس میں محصور ہو جائیں گے۔(8)

دجال کا یہودیوں کا سردار ہونے کے باوجود اصفہان کو اپنا مرکز بنانا اور بیت المقدس میں داخل ہونے سے باز رکھا جانا دلالت کرتا ہے کہ فلسطین پر یہودیوں کا غلبہ عارضی ہے جو جلد ختم ہونے والا ہے۔ان شاء اللہ

اللہ تعالیٰ اپنے منصوبوں کی تکمیل کے لیے ایسے اسباب پیدا فرما دیتا ہے کہ جو انسانوں کے گمان میں بھی نہیں ہوتے۔ متعدد احادیث صحیحہ میں ذکر ہے کہ دجال کے ظہور سے پہلے مسلمانوں اور یورپی اقوام کے درمیان ایک بہت خون ریز جنگ ہوگی جسے احادیث میں **الملحمة العظمٰی** کہا گیا ہے۔اس جنگ میں یورپی اقوام 80 جھنڈوں تلے متحد ہوں گی۔ ہمارا گمان یہ ہے کہ ان 80 جھنڈوں سے مراد 80 ریاستیں ہیں، جن میں 50 امریکی ریاستیں بھی شامل ہیں۔ گویا قوی امکان ہے کہ سویت یونین کی طرح امریکی ریاستیں بھی خود مختاری کا اعلان کرنے والی ہیں۔ عالمی معاشی اشاریے اسی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

سیّدنا ذی مخمر رضی اللہ عنہ ملحمۃ العظمٰی کی تفصیل بتاتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں کہ رومی (یورپی اقوام) 80 جھنڈوں کے نیچے متحد ہو کر تم پر حملہ کریں گی۔(9)

سیّدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ رومی اقوام 80 جھنڈوں کے نیچے پیش قدمی کریں گی اور انکے ہر جھنڈے کے نیچے بارہ ہزار افراد کا لشکر ہوگا۔(10)

سیّدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تینوں امور سات ماہ کے اندر اندر ظاہر ہوں گے یعنی بہت بڑی جنگ، فتحِ قسطنطنیہ (یورپ کی فتح) اور خروجِ دجال۔ (11)

سیّدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب تک روم (یورپ) فتح نہیں ہو جائے گا دجال ظاہر نہیں ہوگا۔(12)

یہ تمام احادیث متفقہ طور پر اشارہ کرتی ہیں کہ فلسطین سے یہود کا قبضہ ختم ہونے والا ہے اور اس کا ایک ظاہری سبب یہ ہے کہ ان کی سرپرستی کرنے والے خود داخلی مسائل کا شکار ہو کر ان کی سرپرستی سے دست کش ہو جائیں گے اور یوں مسلمانوں کے لیے فلسطین کا قبضہ دوبارہ حاصل کرنا آسان ہو جائے گا۔ان شاء اللہ

حواشی

1۔ https://jewishencyclopedia.com/articles/8266-ispahan

2۔ Https://iranicaonline.org/articles/isfahan-xviii-jewish-community

3۔ https://en.wikipedia.org/wiki/Book_of_Esther

4۔ https://en.wikipedia.org/wiki/Purim

5۔ Http://irangazette.com/en/about-us/29-esfahan/isfahan-history /230-isfahan- Jews-and-synagogues.html

6۔ صحیح مسلم: رقم 2944، مسند احمد: رقم 13377

7۔ Persian Jews - Wikipedia

8۔ مسند احمد: رقم 20440

9۔ مسند احمد: رقم 16951، سنن ابوداود: رقم 4293

10۔ مسند احمد: رقم 22342

11۔ مسند احمد: رقم 22395، سنن ابوداود: رقم 4295، سنن ابن ماجہ: رقم 4092

12۔ مسند احمد

تربیتِ اولاد کے اسلامی اُصول

شیخ محمد بن جمیل زینو رحمۃ اللہ علیہ
ترجمہ: حافظ خالد حیات محمود

رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی والدین اور بچوں کے نام چند اہم ہدایات:

1 رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَالإِمَامُ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالرَّجُلُ فِي أَهْلِهِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالمَرْأَةُ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا رَاعِيَةٌ وَهِيَ مَسئُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا وَالخَادِمُ فِي مَالِ سَيِّدِهِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ قَالَ: فَسَمِعْتُ هٰؤُلَاءِ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم، وَأَحْسِبُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: وَالرَّجُلُ فِي مَالِ أَبِيهِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ (صحيح بخاري)

''تم میں سے ہر فرد ایک طرح کا حاکم ہے اور اس کی رعیت کے بارے میں اس سے سوال ہوگا۔ پس بادشاہ حاکم ہے اور اس کی رعیت کے بارے میں اس سے سوال ہوگا۔ ہر مرد اپنے گھر کا حاکم ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی حاکم ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ خادم اپنے آقا کے مال کا حاکم ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔'' راویِ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ

سب میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے اور میرا گمان ہے کہ نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا: ''بیٹا اپنے باپ کے مال کا حاکم ہے اور اس سے اس کی بابت سوال ہوگا۔ الغرض تم میں سے ہر کوئی (کسی نہ کسی مقام پر) ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کے متعلق پوچھا جائے گا۔''

2 حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آقائے دو جہاں ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَ هُوَ خَلَقَكَ!))

''یہ کہ تو کسی کو اللہ تعالیٰ کا مدِمقابل ٹھہرائے حالانکہ اسی ذاتِ حق نے تجھے وجود بخشا ہے''

میں نے عرض کیا کہ اس کے بعد پھر کون سا گناہ بڑا گناہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ أن يُطْعِمَ مَعَكَ.))

''یہ کہ تو اپنے بچے کو محض اس خوف کی وجہ سے قتل کر دے کہ وہ تیرے ساتھ مل کر کھائے گا (اور تو سوچتا ہے کہ میں تنگ دستی کی وجہ سے اسے کہاں سے کھلاؤں گا)''

میں نے پھر استفسار کیا کہ اس کے بعد پھر کون سا گناہ سب سے بڑا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((أنْ تزَانِي بِحَلِيْلَةِ جَارِكَ.)) (صحیح بخاری، رقم: ۴۷۶۱)

''یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ بدکاری کا ارتکاب کرے۔''

3 نبیِ رحمت ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ.)) (صحيح بخاري، رقم: ۲۵۸۷)

''اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان ہر طرح سے (مال ومتاع کی تقسیم، عطیات وہبات وغیرہ کی عنایت وبخشش میں) عدل وانصاف کو قائم کرو۔''

4 سرورِ دو جہاں ﷺ فرماتے ہیں:

((كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ أَوْ يُنَصِّرَانِهٖ أَوْ يُمَجِّسَانِهٖ، كَمثلِ الْبَهِيْمَةِ تنتج الْبَهِيْمَة، هَلْ تَرٰى فِيْهَا جَدْعَاء؟)) (متفق علیہ)

''ہر بچہ فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین ہی اس کو یہودی، یا نصرانی، یا مجوسی بناڈالتے ہیں۔ جس طرح ایک چوپایہ پیدائش کے وقت صحیح سلامت اور کامل

الخلقت چوپائے ہی کو جنم دیتا ہے (پھر اس کے بعد ہی اس کے کان کو کاٹا جاتا ہے) کیا تو نے ان جانوروں میں کوئی ایسا جانور بھی دیکھا ہے جو کان کٹا ہی پیدا ہوا ہو؟ (ایسا نہیں ہوتا، بلکہ کان کو پیدائش کے بعد ہی جانور کو نشان زد کرنے کے لیے کاٹا جاتا ہے)۔''

5 نبی رحمت ﷺ کا فرمان ہے:

((مِنَ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ)) قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، وَهَلْ يَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ قَالَ: ((نَعَمْ يَسُبُّ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ أَبَاهُ وَيَسُبُّ أُمَّهُ فَيَسُبُّ أُمَّهُ)) (متفق علیہ)

''آدمی کا اپنے والدین کو گالی دینا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اللہ کے رسول! آدمی اپنے والدین کو کیسے لعن طعن کرسکتا ہے؟ فرمایا: وہ اس طرح کہ جب وہ کسی دوسرے آدمی کے باپ کو گالی دے گا تو وہ بھی جواب میں اس کے باپ کو گالی دے گا، اسی طرح جب وہ دوسرے کی ماں کو بُرا کہے گا تو وہ بھی جواب میں اس کی ماں کو بُرا کہے گا۔''

6 ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! میرے حُسنِ سلوک کا لوگوں میں سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیری والدہ۔'' اس آدمی نے دوبارہ عرض کیا: پھر کون ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تیری ماں ہے۔'' اس نے تیسری بار پوچھا کہ پھر کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیری ماں ہے۔'' اس نے چوتھی دفعہ پھر آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: پھر کون ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: ''تیرا باپ ہے۔'' (صحیح بخاری، رقم: ۵۹۷۱، صحیح مسلم، رقم: ۲۵۴۸)

والدین اور استاد کی ذمہ داری:

اِرشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ (التحریم: ۶) ''اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔''

ماں، باپ، اُستاد اور معاشرے کا ہر فرد اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے نسلِ انسانی کی تربیت کے بارے میں جواب دہ ہے۔ ان لوگوں نے اگر نسلِ انسانی کو حسنِ تربیت سے آراستہ کردیا تو اس کی سعادت مندی کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کو بھی دنیا وآخرت میں سرخروئی حاصل

ہوجائے گی اور اگر اس کی تربیت کے سلسلے میں ذرّہ برابر بھی ان کی جانب سے کسی قسم کی کوتاہی کا ارتکاب ہوا ہوگا تو نسلِ انسانی کی شقاوت و بدبختی کا بوجھ ان سب کی گردنوں پر ہوگا۔ یہی وہ بات ہے جس کو حدیث شریف میں یوں بیان کیا گیا ہے: ((**کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته.**)) (صحیح بخاری) ''تم میں سے ہر ایک ذمہ دار و نگہبان ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں باز پرس ہوگی۔''

پس وہ شخص جس نے اپنے آپ کو دوسروں کی تعلیم و تربیت پر لگا رکھا ہے، اس کے لیے رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان میں بشارت اور خوشخبری کی نوید ہے:

((**فو اللّٰه لأن يهدي اللّٰه بك رجلا واحدا خير لك من أن يكون لك حمر النعم.**)) (متفق علیہ)

''اللہ کی قسم! اگر تیرے ذریعے اللہ تعالیٰ ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو وہ تیرے لیے سرخ اونٹوں (کی دولت) سے بہتر ہے۔''

اور والدین کو بھی رسول اللہ ﷺ کی مندرجہ ذیل حدیث میں بشارت سنائی گئی ہے:

((**إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة؛ إلا من صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعو له.**)) (صحیح مسلم)

''جب انسان کو موت آ لیتی ہے تو ہر قسم کے عمل کا تعلق اس سے کٹ جاتا ہے، مگر تین قسم کے اعمال ایسے ہیں جن سے اس کو برابر ثواب پہنچتا رہتا ہے اور وہ یہ ہیں: (۱).....صدقہ جاریہ (۲).....علم جس سے لوگ فائدہ اُٹھائیں (۳)..... نیک اولاد جو اس کے لیے دعائے خیر کرتی رہے۔''

اور دوسروں کی تربیت کے فریضے کو سرانجام دینے والوں کو چاہیے کہ وہ سب سے پہلے اس اصلاحی کام کی ابتدا اپنے آپ سے کریں، اس لیے کہ بچوں کی نظر میں اچھائی صرف وہ ہے جس کو والدین اور اساتذہ سرانجام دیتے ہیں اور ہر وہ چیز اُن کی نگاہ میں گھٹیا ہے جس کے ارتکاب سے والدین اور اساتذہ احتراز کرتے ہیں۔ بلاشبہ استاد اور والدین کا بچوں کے سامنے اعلیٰ کردار پیش کرنا بچوں کی تربیت میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ (جاری ہے)

آوارگی اور حیا باختگی کو روکیے!

محمد اعجاز مصطفٰی

(بشکریہ ماہنامہ الفاروق کراچی، ربیع الاوّل 1443ھ)

اللہ تعالیٰ سب کا خالق، مالک، مربی اور حاکم ہے، کائنات کی کوئی چیز اس کی تخلیق، ملکیّت، تربیت اور حاکمیّت سے باہر نہیں۔ اسی نے انسانیت کی فوز وفلاح کے لیے انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور سب سے آخر میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیین بنا کر، رہتی دنیا تک کے انسانوں کے لیے مقتدا، پیشوا اور اُسوۂ حسنہ بنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں اخلاقی، معاشرتی، سیاسی، سماجی، ازدواجی، خانگی، عائلی اور دنیوی واُخروی زندگی کے تمام مسائل کا حل موجود ومسلّم ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی گزارنے کے تمام اصول وآداب اور اخلاق و کردار کو اُمت کے سامنے پیش کر دیا ہے، اس لیے قرآن کریم میں فرمایا گیا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًاO (الاحزاب:21)

''تم لوگوں کے لیے یعنی ایسے شخص کے لیے جو اللہ سے اور روزِ آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکرِ الٰہی کرتا ہو، رسول اللہ میں ایک عمدہ نمونہ موجود تھا۔''

وَ مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِO (الحشر:07)

''اور رسول تم کو جو کچھ دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز (کے لینے) سے تم کو

روک دیں، تم رُک جایا کرو اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ تعالیٰ (مخالفت کرنے پر) سخت سزا دینے والا ہے۔''

کیا صحیح ہے اور کیا غلط ہے؟ کس کو اپنانا چاہیے اور کس سے اجتناب کرنا چاہیے؟ کن چیزوں کو اختیار کرنے سے ایک صالح اور پاکیزہ معاشرہ وجود میں آتا ہے اور کن چیزوں کو اپنانے کی وجہ سے معاشرہ داغ دار ہوتا ہے، یہ سب کچھ آپ ﷺ نے اپنی تعلیمات میں واضح فرمایا۔ حضور ﷺ نے مردوں اور عورتوں کو عفت، عصمت، پاک دامنی اور شرم وحیا اختیار کرنے کا درس دیا، جس سے معاشرہ پاکیزہ اور صالح بنتا ہے۔ آپ ﷺ نے ایسا معاشرہ تشکیل دیا، جس پر ملائکہ بھی رشک کرتے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے اپنے دائرہ کار میں رہتے تھے اور اس دائرہ سے باہر جھانکنے کو گناہ، حیا کے خلاف اور حیا کی موت تصور کرتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لِكُلِّ دِينٍ خُلُقٌ وَخُلُقُ الْإِسْلَامِ الْحَيَاءُ (ابن ماجہ)

ہر دین کا ایک اخلاق ہوتا ہے اور اسلام کا اخلاق حیا ہے۔

حیا کا لغوی معنی: تغیر وانکساری ہے، جو انسان کے قلوب واذہان میں کسی عیب جوئی کے خوف سے جاگزیں ہوتا ہے۔

حیا کا اصطلاحی معنی: حیا ایسی صفت ہے جو منکرات وقبیح چیزوں سے اجتناب کرنے پر برانگیختہ کرتی ہے اور ادائے حقوق میں کوتاہی اور تقصیر سے منع کرتی ہے۔ (عون المعبود شرح ابی داؤد)

گویا شریعت کی نظر میں حیا وہ صفت ہے، جس کے ذریعہ انسان بے ہودہ، قبیح اور ناپسندیدہ کاموں سے رک جاتا ہے۔ دین اسلام میں حیا اور پاک دامنی اپنانے کا حکم دیا گیا ہے، تاکہ انسان اسے اپنا کر، معاشرہ کو پرامن بنانے میں اہم کردار ادا کرے۔ اور منکرات وفواحش کے قریب جانے سے روکا گیا ہے، تاکہ معاشرہ انارکی اور فساد سے بچ جائے۔ حیا انسان کو پاک باز، پرہیزگار، عفت مآب اور صالح انسان بناتی ہے۔ اگر بندے سے کوئی گناہ ومعصیت اور لغزش سرزد ہوتی ہے، تو یہ حیا ہی ہے جو اس کو عار، شرمندگی اور ندامت کا احساس دلاتی ہے۔ باحیا انسان کسی غلط کام کے ارتکاب کے بعد لوگوں کا سامنا کرنے سے جھجک محسوس کرتا ہے۔ حیا مومن کی صفت، ایمان کی شاخ، ایمان میں داخل ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم ﷺ کے بارے

میں فرمایا کہ: آپ ﷺ پردہ میں رہنے والی کنواری لڑکی سے زیادہ باحیا تھے۔

حیا اسلامی تہذیب وتمدن کے لیے روح کی حیثیت رکھتی ہے اور اسی پر پاکیزہ معاشرہ کی اَساس اور بنیاد ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے انسانوں کے دلوں میں حیا کے جذبات کو پروان چڑھایا، شرم وحیا والی کیفیات سے بہرہ وَر کیا۔ آپ ﷺ نے ایک اچھا معاشرہ بنانے اور اس معاشرہ کے ہر فرد کو اپنی عادات واخلاق کو درست کرنے کے لیے نہایت اہم اور ضروری ہدایات اور تعلیمات دیں۔

قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

- قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْر بِمَا يَصْنَعُوْنَ O (النور:30)

''آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے زیادہ صفائی کی بات ہے، بے شک اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں۔''

- وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ (النور:31)

''اور (اسی طرح) مسلمان عورتوں سے (بھی) کہہ دیجیے کہ وہ (بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کے مواقع کو ظاہر نہ کریں، مگر جس (موقع زینت) میں سے (غالبًا) کھلا رہتا ہے (جس کے ہر وقت چھپانے میں حرج ہے) اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رکھا کریں''۔

- وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (العنکبوت:45)

''اور نماز کی پابندی رکھیے، بے شک نماز (اپنی وضع کے اعتبار سے) بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روک ٹوک کرتی رہتی ہے۔''

- اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (النحل:90)

''اللہ حکم کرتا ہے انصاف کرنے کا اور بھلائی کرنے کا اور قرابت والوں کے دینے

کا اور منع کرتا ہے بے حیائی سے اور نا معقول کام سے اور سرکشی سے اور تم کو سمجھاتا ہے، تاکہ تم یاد رکھو۔''

- وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ (الانعام:151)

''اور بے حیائی کے جتنے طریقے ہیں ان کے پاس بھی مت جاؤ، خواہ وہ علانیہ ہوں اور خواہ پوشیدہ ہوں۔''

- قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَمِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ (الاعراف:33)

''آپ فرمائیے کہ البتہ میرے رب نے حرام کیا ہے تمام فحش باتوں کو، اُن میں جو علانیہ ہیں وہ بھی اور ان میں جو پوشیدہ ہیں وہ بھی اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو''۔

- وَلَاتَقْرَبُوا الزِّنٰى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا O (بنی اسرائیل:32)

''اور زنا کے پاس بھی مت پھٹکو، بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے اور بری راہ ہے۔''

الشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِنْهُ وَفَضْلًا (البقرۃ:268)

''شیطان وعدہ دیتا ہے تم کو تنگ دستی کا اور حکم کرتا ہے بے حیائی کا اور اللہ وعدہ دیتا ہے تم کو اپنی بخشش اور فضل کا''۔

اسی طرح آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

- ایک مرد دوسرے مرد کے ستر کو نہ دیکھے اور نہ ہی کوئی عورت دوسری عورت کے ستر کو دیکھے۔ کوئی مرد دوسرے مرد کے ساتھ اور کوئی عورت دوسری عورت کے ساتھ ایک کپڑے میں نہ لیٹے۔ (مسلم)

- حضرت یعلیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو کھلی جگہ (میدان) میں ننگے نہاتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ منبر پر تشریف لائے، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی، پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ نہایت باحیا اور ستر پوش (عیب پوش) ہے، وہ حیا اور پردہ کو پسند کرتا ہے، تو جب تم میں

سے کوئی شخص نہائے تو پردہ کرے۔ (سنن ابی داؤد)

◐ حضرت جرہد رضی اللہ عنہ راصحابِ صفہ میں سے تھے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف فرما تھے اور میری ران ننگی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ران ستر (میں شامل) ہے! (سنن ابی داود)

◐ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی ران سے کپڑا مت اُٹھاؤ، کسی زندہ کی ران دیکھو نہ کسی مردہ کی۔ (سنن ابی داؤد)

◐ حضرت ابومسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں نے سابقہ انبیاء علیہم السلام کے کلام میں سے جو حاصل کیا ہے، وہ یہ ہے کہ جب تم حیا نہ کرو، تو پھر جو چاہو کرو۔ (سنن ابی داؤد)

◐ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اُمِ خلد نامی عورت نقاب کیے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور وہ اپنے مقتول (شہید) بیٹے کے بارے میں دریافت کر رہی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب نے کہا: آپ اپنے (شہید ہونے والے) بیٹے کے بارے میں پوچھ رہی ہیں اور (اتنی مصیبت اور غم کے باوجود) آپ نقاب کیے ہوئے ہیں؟ اس (عظیم خاتون) نے کہا: اگرچہ میرا لختِ جگر فوت ہو گیا ہے، لیکن میری حیا تو فوت نہیں ہوئی۔ (سنن ابی داود)

◐ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چار چیزیں سب پیغمبروں کی سنت ہیں، شرم اور عطر لگانا اور مسواک کرنا اور نکاح کرنا۔ (جامع ترمذی)

◐ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی مرد جب بھی کسی غیر محرم عورت کے ساتھ تنہائی میں ہوتا ہے تو ان کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ (ترمذی)

◐ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا: اے علی! غیر محرم عورت پر ایک نظر پڑنے کے بعد دوسری نظر نہ دوڑاؤ، اس لیے کہ پہلی نظر تمہارے لیے معاف ہے اور دوسری نظر تمہارے اوپر وبال ہوگی۔ (ترمذی)

◐ حضرت بہز بن حکیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی شرم گاہ کو بیوی اور لونڈی کے علاوہ کسی کے سامنے ظاہر نہ کرو۔ میں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! اگر کوئی آدمی تنہا ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: تو اللہ زیادہ لائق ہے کہ اس سے شرم وحیا کی جائے۔ (ترمذی)

◐ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جن عورتوں کے خاوند گھر میں موجود نہیں ہوتے ان کے ہاں نہ جایا کرو، شیطان تم میں سے ہر آدمی سے ساتھ اس طرح گھل مل جاتا ہے جیسے خون جسم میں جاری رہتا ہے۔ (ترمذی)

◐ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین اشخاص ایسے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کر دی ہے: 1۔ ہمیشہ شراب پینے والا، 2۔ والدین کا نافرمان، 3۔ وہ بے غیرت جو اپنے گھر میں بے حیائی کو (دیکھنے کے باوجود اُسے) برقرار رکھتا ہے۔ (احمد، نسائی)

◐ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بری بات جہاں کہیں بھی ہو قابلِ ملامت ہے اور شرم وحیا جہاں کہیں بھی ہو باعثِ فخر ہے۔ (ترمذی)

یہ وہ چند احادیث تھیں، جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو پاک دامنی اور شرم وحیا کے متعلق ہدایات اور تعلیمات عطا کی ہیں۔

شریعت نے شرم وحیا کی بقا، توالد وتناسل کے سلسلہ کو آگے بڑھانے اور مرد وعورت کی جنسی تسکین کے لیے نکاح جیسے خوب صورت بندھن کا حکم دیا، جس کے نتیجہ میں مرد اور عورت کا آپس میں مودّت ورحمت کا رشتہ قائم ہوتا ہے، پھر اس کے ذریعہ رشتہ داریاں، خاندان، معاشرہ اور سماج وجود میں آتا ہے۔ عورت کے چار درجات اور مقام ہیں اور چاروں کو اللہ تعالیٰ نے عزت وعظمت عطا کی ہے: 1۔ عورت اگر ماں ہے تو اس کے پاؤں کے نیچے جنت ہے، 2۔ عورت اگر بیٹی ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت، 3۔ عورت اگر بہن ہے تو اس کی پرورش، تربیت اور اچھی جگہ رشتہ کر دینے پر جنت کی ضمانت، 4۔ عورت اگر بیوی ہے تو مرد کا لباس اور دنیا کی بہترین متاع اس کو قرار دیا گیا۔

آج معاشرہ میں بے راہ روی، آوارگی اور حیا باختگی کے کئی عوامل ہیں:

اسلام نے زندگی گزارنے کے لیے جو ہدایات اور تعلیمات دی ہیں، آج کے معاشرہ کی اکثریت نے ان تعلیمات کو پڑھنے سمجھنے، انہیں عام کرنے اور ان پر عمل کرنے کی ہر گز ہر گز کوشش نہیں کی۔

اسلام نے عورت کو پردہ کا حکم دیا، اس کو دلوں کی پاکیزگی کا ذریعہ اور شریف زادیوں کا شعار قرار دیا۔ اسلام نے عورت کو عزت وعظمت دی، وقار اور سربلندی کا تاج اس کے سر پر رکھا، اس کو

گھر کی ملکہ بنایا، جس سے گھر کا چراغ روشن ہوتا ہے، جس کی وجہ سے گھر میں آرام اور سکون ملتا ہے، مرد اور اولاد کے لیے گھر میں رہنا باعثِ راحت بنتا ہے، لیکن اسلام کے اس نظریہ کے برعکس مغربی تہذیب کے دلدادہ لوگ عورت کو گھر کی بجائے شمعِ محفل اور سامانِ عیش بنا کر بازار میں گھسیٹ لے آئے۔ ایسے لوگوں نے عورت کو عزت و عظمت، وقار و شرافت، پردہ، چادر اور چار دیواری کے وقار کو نہ صرف یہ کہ بٹّہ لگایا، بلکہ بچوں کی تربیت اور شوہر کے حقوق کو بھی پامال کرایا، یوں مساوات کا سبز باغ دکھا کر مغربی تہذیب سے مرعوب طبقہ نے اس صنفِ نازک پر بہت بڑا ظلم کیا ہے۔

مرد و زن کے اختلاط سے شریعت نے منع کیا، لیکن مغربی نقالی میں ہمارے معاشرے نے بھی مخلوط تعلیمی نظام کو رواج دیا، جس کے آج بھیانک نتائج سامنے آرہے ہیں اور آئے دن اخبارات میں یہ خبریں چھپتی ہیں کہ چھوٹی چھوٹی معصوم بچیاں اور کلیاں ان آوارہ گردوں اور حیاباختہ درندوں کی بھینٹ چڑھ کر کچل اور مسل دی جاتی ہیں۔ مغربی تہذیب نے انسانیت کو حیوانیت کے قالب میں ڈھال کر مکمل درندہ صفت انسان بنا دیا اور اسی تہذیب کے متوالے آنکھیں بند کر کے اس کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں اور آج سماج میں اس کو شریف اور مہذب سمجھا جاتا ہے جو سر سے پاؤں تک مغربیت میں ڈھلا ہوا ہو، وضع قطع، عادات و اطوار، رہن سہن، غرض زندگی کے تمام نشیب و فراز میں جو جتنا مغربی تہذیب کا نقال ہوگا، وہ اتنا مہذب شمار ہوگا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج حیا باختگی کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ بیوی شوہر کی ضرورت محسوس نہیں کر رہی اور شوہر بیوی کی پروا نہیں کر رہا۔ لڑکے اور لڑکیاں نکاح کو اپنے لیے قید اور بے حیائی کو اپنے لیے آسان اور سستا سمجھ رہے ہیں۔ آئے دن طلاقوں کی شرح بڑھتی جارہی ہے اور آج میرا جسم میری مرضی کو فروغ دیا جارہا ہے۔ آج خاندان سے سکون و اطمینان رخصت ہو چکا ہے، انسانیت جیتے جی مر رہی ہے، گھر برباد ہو رہے ہیں، نسلیں تباہ ہو رہی ہیں، حیا لٹ رہی ہے، جوانیاں داغ دار ہو رہی ہیں، بیٹیوں کی عفت نیلام ہو رہی ہے۔ آج کے حیاباختہ معاشرے نے رشتوں کے احترام اور تقدس کو پاؤں تلے روند ڈالا ہے، ہر شخص اپنے لذتِ تن بدن کی تکمیل میں لگا ہوا ہے، نہ ماں کا تقدس ہے، نہ باپ کا احترام، نہ بیوی کی قدر ہے اور نہ بیٹی کی پہچان۔ غلط، بے حد و اور بے لگام راہیں انسان کو اچھی لگنے لگی ہیں، جس سے سماج بکھرتا جارہا ہے۔

ایک باشعور اور عقل و خرد کا حامل انسان یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہے کہ موجودہ دنوں میں اسلام آباد کے پوش علاقہ میں ایک خاتون نور مقدم کا قتل ظاہر ذاکر نامی شخص نے کیا ہے، یہ تو دونوں کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، دونوں لبرلز تھے، میرا جسم میری مرضی کا نعرہ لگانے والے تھے، پھر ایک دوسرے کے دشمن کیوں ہو گئے؟ سوچیے اور بار بار سوچیے! آخر اس کا کس کس کا قصور اور کس کس سے کہاں کہاں کوتاہی ہوئی ہے؟ ماں، باپ، اساتذہ، تعلیم، تہذیب، ماحول، معاشرہ، مال و دولت، بے محابا آزادی اور اسلامی تہذیب کی بجائے مغربی طرزِ تعلیم اور طرزِ تہذیب؟ یا وہ جو کہتے ہیں کہ اولاد جب جوان ہو تو اس کی مرضی جو وہ چاہے کرے، دوسروں کو ان کی زندگی میں مداخلت کا کوئی حق نہیں، غیر مردوں اور غیر عورتوں کی دوستی کا کوئی مسئلہ نہیں، دونوں اپنی مرضی سے بغیر شادی کے اگر ایک دوسرے کے ساتھ رہنا چاہیں تو اس میں بھی کوئی قباحت نہیں۔ آخر کون ہے جو ان دونوں کو اس انجام تک پہنچانے کا ذمہ دار ہے؟ کون اس کا قصور وار ہے؟ خدارا! اس ہولناک اور دہشت ناک واقعہ سے ہر اس مرد اور عورت کو عبرت پکڑنی چاہیے، جو اس جیسے ماحول اور آزادی کا طلب گار ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحِبُّوۡنَ اَنۡ تَشِیۡعَ الۡفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ O (النور:19)

''جو لوگ چاہتے ہیں کہ چرچا ہو بدکاری کا ایمان والوں میں اُن کے لیے عذاب ہے دردناک، دنیا اور آخرت میں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

وَکَذٰلِکَ اَخۡذُ رَبِّکَ اِذَاۤ اَخَذَ الۡقُرٰی وَہِیَ ظَالِمَۃٌ اِنَّ اَخۡذَہٗۤ اَلِیۡمٌ شَدِیۡدٌ O (ھود:102)

''اور ایسی ہی ہے پکڑ تیرے ربّ کی جب پکڑتا ہے بستیوں کو اور وہ ظلم کرتے ہوتے ہیں، بے شک اس کی پکڑ دردناک ہے شدت کی۔''

قومِ لوط پر جو عذاب آیا، ان کا ایک جرم یہ بھی تھا کہ وہ قوم شرم و حیا سے عاری ہو چکی تھی، بے حیائی کے کام بھری محفلوں اور مجلسوں میں کرتی تھی، ان کی حرکات، سکنات، اشارات و کنایات اور ان کے محلے اور بازار سب کے سب عریانی، فحاشی، آوارگی اور حیا باختگی کا مرقع بن چکے تھے۔ آج

کی سیکولر تہذیب نے بھی انسانیت کو اس تباہی و بربادی اور ہلاکت کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے۔

آج کی عورت اگر اپنی زندگی صحیح اسلامی تعلیمات کے مطابق گزارنے کی کوشش کرے تو دنیا کی کوئی طاقت اُن کو شہوت کو نگاہ سے دیکھنے کی تو دور کی بات ہے، اپنے تصور میں بھی نہیں لائے گی اور عورت اپنی تمام تر خوبیوں سے آراستہ و پیراستہ ہو کر اپنے شوہر کے لیے نیک رفیقِ سفر، والدین کے لیے چشمہ رحمت، بھائی کے لیے گل دستہ محبت، اولاد کے لیے گہوارہ اُلفت و چاہت اور سارے معاشرے کے لیے نیک بخت اور نیک سیرت کا مجموعہ بن کر ساری دنیا کو جنت نما بنا سکتی ہے اور دنیا میں پھیلنے والی تمام برائیوں کا سدِ باب بن کر انسانیت کو بھولا ہوا سبق یاد دلا سکتی ہے اور انسانیت کو جہنم کے دہانے سے دور کر کے جنت کی لازوال نعمتوں کی طرف پھیر سکتی ہے۔ بہر حال مرد ہوں یا خواتین، حکمران ہوں یا رعایا، علماء ہوں یا عوام، سب کو اس معاشرہ سے اس بے حیائی و بے شرمی کو ختم کرنے کی اپنی سی استطاعت اور کوشش ضرور کرنی چاہیے، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا (التحریم:06)

''اے ایمان والو! تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو (دوزخ کی) اس آگ سے بچاؤ''۔

اور اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ یُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَیُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (التحریم:08)

''اے ایمان والو! تم اللہ کے آگے سچی توبہ کرو، (توبہ کا ثمرہ فرماتے ہیں کہ) اُمید (یعنی وعدہ) ہے کہ تمہارا رب (اس توبہ کی بدولت) تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تم کو (جنت کے) ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی''۔

وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ O (النور:31)

''اور توبہ کرو اللہ کے آگے سب مل کر اے ایمان والو! تا کہ تم بھلائی پاؤ''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری قوم کو سمجھ عطا فرمائے، ہم سب کے حال پر رحم فرمائے، اللہ تعالیٰ کے احکامات اور حضور ﷺ کی تعلیمات پر عمل کی توفیق سے نوازے اور ہم سب کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

یادِ فاروقیؒ

بانی مدیر انجینئر مختار فاروقی مرحوم ومغفور کی یاد میں ایک بھرپور خصوصی شمارہ کی اشاعت (نومبر 2021ء) کے بعد بھی کچھ حضرات ان سے متعلق اپنی تحریریں ارسال کررہے ہیں۔ادارہ نے مرحوم کی یادوں سے متعلق تحریروں کے لیے چند صفحات مقرر کیے ہیں جن میں وقفہ وقفہ سے ان کو شائع کیا جائے گا۔ اِن شاءاللہ

19

پروفیسر خلیل الرحمٰن
ٹوبہ ٹیک سنگھ

اطاعتِ امیر کی ایک مثال

2008ء میں 2 تا 4 نومبر، تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع فردوس فارم دراجکے (سادھوکی) کے مقام پر منعقد ہوا۔ ناچیز ایک عام رفیق جبکہ انجینئر مختار فاروقی صاحب اُس وقت امیر حلقہ تھے۔ میری حیثیت تو ایک شاگرد کی تھی۔ اجتماع کے آخری روز شرکاء اجتماع ریلی کی صورت میں اجتماع گاہ سے مینارِ پاکستان جانے کے لیے روانہ ہوئے۔ ناچیز کو ایک بس میں امیر سفر کی ذمہ داری سونپ دی گئی۔ اسی بس میں فاروقی صاحب بھی سوار ہوئے۔ ناچیز بس کی اگلی سیٹ پر جبکہ فاروقی صاحب ایک پچھلی سیٹ پر تشریف فرما ہوئے۔ میں نے آواز دی: فاروقی صاحب! آگے تشریف لے آئیں۔ فرمانے لگے: آپ امیر ہیں آپ ہی آگے بیٹھیں گے۔ میں نے کہا: فاروقی صاحب! میں کہاں کا امیر، جب آپ میری بات ہی نہیں مان رہے۔ فاروقی صاحب اسی وقت اپنی سیٹ سے اُٹھے اور آگے آ گئے۔ یوں انہوں نے اطاعتِ امیر کی

بہترین مثال کا مظاہرہ کیا۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کے نیک اعمال کو قبولیت کا درجہ دیتے ہوئے انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام پر فائز فرمائے۔ آمین

20 عبداللہ ابراہیم بن مختار حسین فاروقی جھنگ (قسط نمبر 5)

هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ

72۔ ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم سے والد محترم کا تعارف 1968ء کے اوائل میں ہوا اور پھر والد صاحب اُن کے ساتھ جڑ گئے۔ اسی عرصہ میں ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم سے تعارف اور ملاقات ہوئی۔ یہ انجمن خدام القرآن اور تنظیم اسلامی کے قیام سے پہلے کی بات ہے۔ اسی دوران والد صاحب نے ان کو جھنگ بھی مدعو کیا۔ ڈاکٹر اسرار مرحوم کے بعد والد محترم کو تنظیم اسلامی پاکستان کا پہلا مقرر ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

73۔ 1970ء کی دہائی میں پہلے سمن آباد میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ساتھ ایک ہی عمارت میں رہائش رہی۔ پھر جب قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن لاہور کی تعمیر شروع ہوئی تو اس کا نقشہ والد محترم نے بنایا اور سب سے پہلے ڈاکٹر اسرار صاحب اور والد محترم کے گھرانے ہی قرآن اکیڈمی لاہور میں رہائش پذیر ہوئے۔

74۔ ابتدائی زندگی مشکل حالات میں گزری پھر انجینئرنگ کی تعلیم مکمل ہونے کے بعد مالی حالات کافی بہتر ہوگئے اور ہمارے جھنگ کے خاندان میں سب سے پہلے گاڑی، فون اور دوسری سہولیات والد صاحب ہی کو میسر ہوئیں۔ تاہم کل وقتی طور پر دینی معاملات سے وابستگی پر یہ معاملات پیچھے ہوگئے۔ آج کل پیر ذوالفقار احمد نقشبندی صاحب اس معاملے میں سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔

75۔ لاہور میں انجینئرنگ کی تعلیم کے دوران والد صاحب دینی محافل میں شرکت کرتے رہتے تھے۔ ان کے ایک دوست نے بتایا کہ ایک دفعہ ہم غلام احمد پرویز صاحب کے لوگوں کے حلقے میں گئے تاہم وہاں کا ماحول دیکھ کر واپسی پر والد صاحب نے تمام دوستوں سے عہد لیا کہ ہم

دوبارہ ادھر نہیں جائیں گے۔

76۔ آخری عمر میں والد صاحب بہت زیادہ video کی ریکارڈنگ کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اگر کہیں دوسرے شہر جانا ہو اور وہاں ریکارڈنگ ہو جائے تو کروا لیتے تھے مگر قرآن اکیڈمی جھنگ میں انہوں نے اس کا شعبہ قائم نہیں کیا۔

77۔ بالکل ابتدا میں جب Peace TV کے لیے ریکارڈنگ شروع ہوئی تو والد صاحب نے بھی کچھ نہایت مختصر ریکارڈنگ کروائی۔ یہ غالباً 2000ء کے آس پاس کی بات ہے۔ تاہم بعد میں جب تفصیلی ریکارڈنگ کی بات آئی تو ایک سے زائد مرتبہ کہے جانے کے باوجود والد صاحب نے اس طرح کی ریکارڈنگ نہیں کروائی۔

78۔ والد صاحب کوشش کرتے تھے کہ تنظیمی دوست آتے وقت تحائف وغیرہ نہ لائیں۔ ملتان قرآن اکیڈمی میں رہتے ہوئے والد صاحب عمرے سے واپس آئے تو ایک صاحب گھر میں کافی پھل وغیرہ دے گئے۔ والد صاحب نے گھر میں اس پر باقاعدہ ناراضی کا اظہار کیا۔ بعد کے معاملات نے ثابت کیا کہ یہ احتیاط درست تھی۔

79۔ ایک دفعہ راقم نے گاڑی میں ایک افریقی قاری نورین محمد صادق کی آڈیو لگائی جو کہ دوسری قراءت میں تھی اور اس میں برصغیر میں رائج عام قراءت سے زبر زیر کا فرق آ رہا تھا۔ والد صاحب نے کہا کہ اس سے عوام کی سطح پر پیچیدگی پیدا ہو سکتی ہے اور اس کو بند کروا دیا۔

80۔ سکول کے زمانے میں مجھے کہیں سے آٹوگراف بک ملی۔ میں نے والد صاحب کو آٹوگراف کے لیے دی تو انہوں نے اقبال کا یہ شعر لکھا:

حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی
خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ

81۔ والد صاحب بہت زیادہ مرتبہ حج اور عمرہ کرنے کی بجائے دعوتِ دین اور اقامت دین کے فرض کی ادائیگی کے لیے محنت اور اِنفاقِ مال کو ترجیح دیتے تھے۔ بہرحال انہوں نے تین بار حرمین شریفین کا سفر کیا: ایک عمرہ کا سفر 1995ء یا 1996ء میں کیا، پھر 2008ء میں حج کی سعادت حاصل کی اور پھر 2010ء میں ایک اور عمرہ کا سفر کیا۔

82۔ گاڑیوں کے معاملے میں والد صاحب نئی یا زیادہ ڈیجیٹل خصوصیات کی گاڑی کو پسند نہیں کرتے تھے کہ ان کی مرمت بھی پیچیدہ ہوتی ہے اور ان کی نقل وحمل کی پوری معلومات بھی دوسرے لوگ رکھ سکتے ہیں۔ نسبتاً پرانے ماڈل جو کہ اونچے اور مضبوط ہوتے ہیں ان کو پسند تھے۔

83۔ والد صاحب زمانہ طالب علمی سے ہی دین کے کام میں لگے رہتے۔ پھر ملازمت اور پھر کاروبار میں بھی دین کے لیے وقت نکالتے رہے۔ پھر 36-37 سال کی عمر میں 1987ء میں جھنگ کے پاس پری کاسٹ فیکٹری لگائی اور منصوبہ یہ تھا کہ بڑے بھائی فیکٹری چلائیں گے اور وہ دین کا کام کریں گے تاہم وہ فیکٹری زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی۔ اس لیے والد صاحب نے 1988ء سے 1992ء تک چار سال DESCON میں نوکری کی اور پھر 1992ء سے ہمہ وقتی طور پر دینی سرگرمیوں میں مشغول ہو گئے۔

84۔ والد صاحب کو قرآن مجید کے علوم کے ساتھ ساتھ اقبالیات، ڈاکٹر رفیع الدین کا اقبال اور قرآن کا فلسفہ اور تاریخ اسلام سے خصوصی دلچسپی تھی۔ وہ ہمیں یہ نصیحت کرتے کہ ہمیں دنیا میں علم کی ہر شاخ کے بارے میں بنیادی معلومات ہونا چاہئیں تاکہ ہمارا علم متوازن ہو۔

85۔ لباس کے بارے میں والد صاحب نے انتہائی سادہ عادت رکھی ہوئی تھی۔ وہ صرف ایک سادہ انداز کی شلوار اور کرتا پہنتے تھے۔ جوانی میں یہ صرف سفید رنگ کے ہوتے تاہم آخری عمر میں وہ سفید کے علاوہ بھی دوسرے رنگوں کا لباس پہن لیتے۔ سر ڈھانپنے کے لیے ہمیشہ سفید رنگ کا رومال سر پر باندھتے۔

86۔ ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم کی جاری کردہ، شادی بیاہ کی تقریبات میں، اصلاحی تحریک کے مطابق والد صاحب صرف سنت سے ثابت اہتمام تک محدود رہنے پر مکمل عمل کرتے اور انہوں نے اپنے تمام بچوں اور بچیوں کی شادیوں پر نکاح اور ولیمہ کے مسنون عمل کے علاوہ کوئی اہتمام نہیں کیا اور لڑکی والوں کی طرف کھانا نہ کھانے پر مکمل عمل کرتے۔ تاکہ لڑکی والوں پر کم سے کم شادی کا بوجھ ہونا رواج پا جائے۔ (جاری ہے)

فرمودۂ اقبال

آزادیٔ نسواں

اس بحث کا کچھ فیصلہ مَیں کر نہیں سکتا
گو خوب سمجھتا ہوں کہ یہ زہر ہے، وہ قند
کیا فائدہ کچھ کہہ کے بنوں اور بھی معتوب
پہلے ہی خفا مجھ سے ہیں تہذیب کے فرزند
اس راز کو عورت کی بصیرت ہی کرے فاش
مجبور ہیں معذور ہیں، مردانِ خردمند
کیا چیز ہے آرائش و قیمت میں زیادہ
آزادیٔ نسواں کہ زمرّد کا گلوبند؟

عورت ـــــ آج اور کل

قبل از اسلام رائج تھا جو اسلوبِ حیات
کس قدر مظلوم تھی اے بنتِ حوا تیری ذات

ایک مچھر کے برابر بھی تیری قیمت نہ تھی
گاڑ دی جاتی تھی زندہ تُو تو پیدا ہوتے ہی

باپ کے ترکے میں بیٹے بانٹ لیتے تھے تجھے
تُو تھی جن کی ماں وہ جورو بنا لیتے تجھے

مرتا جب تیرا پتی ہندو جلا دیتے تجھے
نہ اکیلے زندہ رہنے کا بھی حق دیتے تجھے

تُو نہ تھی بیٹی کسی کی تُو کسی کی ماں نہ تھی
تجھ سے یوں برتاؤ ہوتا گویا تجھ میں جاں نہ تھی

تجھ کو تو اسلام نے ہی عزت و توقیر دی
ماں کے قدموں میں ہے جنت، یہ بشارت اس نے دی

دینِ حق نے ہی تجھے ہے باپ کا ورثہ دیا
اور ماں کو اس کے بیٹے کا دیا وارث بنا

تجھ کو مردوں کی غلامی سے ہے دی اس نے نجات
ہے مگر پردے میں رکھا تا کہ شیطان کھائے مات

تیرے خاوند کو بنایا اس نے ہے تیرا کفیل
کہ اُمورِ خانگی کی تو کرے گھر میں سبیل

ہاں مگر وقت ضرورت تُو بٹا سکتی ہے ہاتھ
جیسے دورِ سلف میں تُو نے دیا مردوں کا ساتھ

نام آزادی کا دے کے عصرِ حاضر نے تجھے
ہے حصولِ رزق میں اس نے کیا شامل تجھے

نام پر آزادئ نسواں کے جتنا بھی ہے شور
گھر کی عزت ہے سرِ بازار لٹوانے پہ زور

عورتیں آئیں گھروں سے گویا نکلیں جیل سے
ہوگئی شیطان کی پوری مرد و زن کے میل سے

اہلِ مغرب میں کسی کی بیٹی بہن، و ماں نہیں
ہیں اویسیؔ سارے حیواں کوئی بھی انساں نہیں

عبدالرزاق اویسیؔ ٹوبہ ٹیک سنگھ

Vol 16
CPL No: FD 30/07
HIKMAT-E-BAALGHA
MARCH 2022
No 03

فکرِ فاروقیؒ

ہر شخص یہ سوچے کہ کرۂ ارض پر خیر اور شر کی قوتوں کے درمیان جاری اس جنگ میں وہ کس طرف ہے اور اپنے اچھے بُرے مستقبل اور انجام کا سوچ سمجھ کر فیصلہ کرلے۔

انسانیت کا مستقبل، خالق کائنات کے نزدیک قرآن مجید سے وابستہ ہے اور نجاتِ اُخروی بھی اسی قرآن مجید کے بتائے ہوئے ''سیدھے راستے'' پر چل کر ہی ممکن ہے اور مستقبل قریب میں بھی عالمی سطح پر آسمانی ہدایت کے زیرسایہ 'انسانیت' اور 'حقیقی انسانی اقدار' کے فروغ کے لیے واحد آسمانی کتاب قرآن مجید کی تعلیمات کو فروغ دینے اور ان پر عمل کرنے سے منسلک ہے۔ دوسروں الفاظ میں اس روئے ارضی پر آج حالات کچھ بھی ہوں مستقبل قریب اسلام کا ہے اور اسلام کے لانے والے حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات کا ہے۔ اس عظیم مقصد کے حصول کے راستے کی رکاوٹ ہم مسلمانوں کی طرف سے اپنی وفاؤں میں کمی کے شدید فقدان کی ہے۔ بقول علامہ اقبال

؎ کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

(حکمت بالغہ اپریل 2016ء)